بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

رجسٹرڈ ای۔ پی نمبر ۸۶۱

بدر ہفت وار قادیان

ایڈیٹر:۔ برکات احمد راجیکی

اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد حفیظ بقاپوری

شرح چندہ سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۲ ؍

تواریخ اشاعت:۔ ۷-۱۴-۲۱-۲۸

جلد ۱	۱۴ ماہ تبوک سنہ ۱۳۳۱ ہش۔ ۲۳ ذوالحجہ سنہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء	نمبر ۲۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت بلند مقام

(۱) زندہ نبی (۲) صاحب خاتم

(از سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

(۱) یہ عجیب ظلم ہے کہ جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ عیسٰیؑ آسمان پر زندہ ہے۔ حالانکہ زندہ ہونے کے علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پاتا ہوں۔ وہ خدا جس کو دنیا نہیں جانتی ہم نے اس خدا کو اس کے نبی کے ذریعہ سے دیکھ لیا۔ اور وہ وحی الٰہی کا دروازہ جو دوسری قوموں پر بند ہے۔ ہمارے پر محض اس نبی کی برکت سے کھولا گیا۔ اور وہ معجزات جو غیر قومیں صرف قصوں اور کہانیوں کے طور پر بیان کرتے ہیں ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے وہ معجزات بھی دیکھ لئے۔ اور ہم نے اس نبی کا وہ مرتبہ پایا جس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر تعجب کہ دنیا اس سے بیخبر ہے۔ مجھے کہتے ہیں۔ کہ مسیح موعودؑ ہونے کا کیوں دعویٰ کیا۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اس نبی کی کامل پیروی سے ایک شخص عیسٰیؑ سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے۔ اندھے کہتے ہیں۔ کہ یہ کفر ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ خود ایمان سے بے نصیب ہو۔ پھر کیا جانتے ہو۔ کہ کفر کیا چیز ہے۔ کفر خود تمہارے اندر ہے۔ اگر تم جانتے۔ کہ اس آیت کے کیا معنے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم تو ایسا کفر منہ پر نہ لاتے۔ خدا تو تمہیں یہ ترغیب دیتا ہے۔ کہ تم اس رسول کی کامل پیروی کی برکت سے تمام رسولوں کے متفرق کمالات اپنے اندر جمع کر سکتے ہو۔ اور تم صرف ایک نبی کے کمالات حاصل کرنا کفر جانتے ہو۔" (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۴،۱۷)

(۲) "عجیب بات ہے۔ کہ دنیا ختم ہونے کو ہے۔ مگر اس کامل نبی کے فیضان کی شعاعیں اب تک ختم نہیں ہوئیں۔ اگر خدا کا کلام قرآن شریف مانع نہ ہوتا۔ تو فقط یہی نبی تھا۔ جس کی نسبت ہم کہہ سکتے تھے۔ کہ وہ اب تک مع جسم عنصری زندہ آسمان پر موجود ہے۔ کیونکہ ہم اس کی زندگی کے صریح آثار پاتے ہیں۔ اس کا دین زندہ ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا زندہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے زندہ خدا مل جاتا ہے۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا اس سے اور اس کے دین سے اور اس کے محب سے محبت کرتا ہے۔ اور یاد رہے۔ کہ درحقیقت وہ زندہ ہے۔ اور آسمان پر سب سے اس کا مقام برتر ہے۔ لیکن یہ جسم عنصری جو فانی ہے یہ نہیں ہے بلکہ ایک اور نورانی جسم کے ساتھ جو لازوال ہے۔ اپنے خدائے مقتدر کے پاس آسمان پر ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱ حاشیہ)

(۳) "اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷)

بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح المصلح الموعود اطال اللہ بقائہ واطلع شموس طالعہ کی صحت کے متعلق اطلاع

ربوہ مبارکہ ۱۰؍ستمبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ العالی بذریعہ تار اطلاع فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالےٰ کو بخار ہے۔ اور کبھی کبھی بائیں طرف فالج کے سے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔"

احباب کرام اپنے مقدس آقا کی صحت کاملہ وعاجلہ۔ درازی عمر اور مقاصد عالیہ میں کامیابی کے لئے خاص طور پر دعائیں جاری رکھیں۔

قادیان کی فیوض و برکات کے حاصل کرنے کا زرین موقعہ

احباب کرام! احمدیت کا دائمی مرکز جس کو خدا تعالیٰ نے ہر قسم کی برکات وانوار سے نوازا ہے جو موجودہ زمانہ کے مامور و مرسل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مولد مسکن اور مدفن ہے۔ اور نور اسلام کو پھیلانے کا منبع اور مصدر ہے اسمیں موجودہ وقت میں مخصوص حالات کے پیش نظر رہائش اختیار کرکے خدمت سلسلہ کا زرین موقعہ ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے احمدیت کے فدائی اس مقدس مقام کو دیکھنے کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ لیکن ان کو یہ موقعہ میسر نہیں آتا ہندوستانی احمدیوں پر خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے کہ انکے لئے موجودہ حالات میں مرکز احمدیت میں رہنے اور اسمیں خدمات سلسلہ سرانجام دینے کیلئے سہولت اور موقعہ میسر ہے۔

پس احباب میں سے جو وقف کرکے قادیان آسکیں وہ وقف کرکے آجائیں۔ اور جو بغیر وقف کے خدمت سلسلہ کے لئے تشریف لاسکیں وہ اسی طرح آئیں۔ مڈل پاس میٹرک پاس نوجوانوں اور پنشنر احباب سے خاص طور پر مرکز میں آنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ تفصیلی معلومات کیلئے نظارت امور عامہ قادیان سے خط وکتابت فرمائیں۔ خدا تعالےٰ آپ کو اس زرین موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ما۔سلام ناظر امور عامہ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان

ہمارا پیشوا

از مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

خلق میں انبیاء کے اک جری اللہ آیا تھا۔ مجدد الف آخر رتبہ اپنے حق سے پایا تھا
پیام صلح دیکر امن عالم کی بشارت دی سمجھائی ایسی تجویزیں کہ جڑ کاٹی بغاوت کی
حقیقی صورت اسلام لوگوں کو دکھائی تھی فروغ احمدیت کی خبر بھی سنائی تھی
حقائق اور معارف کا عجب دریا بہایا تھا کہ سیراب کرم جس سے ہوا اپنا پرایا تھا
مٹایا اختلاف باہمی حق سے حکم ہو کر جمایا نقش وحدت خوب سلطان القلم ہو کر

تعالےٰ اللہ کیا شان صداقت مسیحا آشکارا کی
بہ یک ضربت کلیسا کی عمارت پارہ پارا کی

مصیبت ایک اور خوشیاں آٹھ

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ایک مصیبت کے نتیجہ میں انسان آٹھ مسرتوں کا وارث بن جاتا ہے۔ ایک ابتلا میں اگر انسان کامیاب ہوجائے تو آٹھ فضلوں کا بارگاہ ایزدی سے اس پر فیضان ہوجاتا ہے۔ جو علی الترتیب درج ذیل ہیں۔

(۱) اولئک علیھم صلوات من ربھم۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات نازل ہوتی ہیں

(۲) ورحمۃ وہ خدا کے مورد رحمت ہوتے ہیں۔

(۳) اولئک ھم المھتدون خدا تعالےٰ ان لوگوں کی راہنمائی کرے گا۔

(۴) حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی مصیبت کے وقت اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا کہے تو اسکو نعم البدل دیا جاتا ہے۔

(۵) سزا دہی کے ساتھ گناہوں کی سزا ٹل جاتی ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ کہ جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے۔ وہ سب تمہارے اپنے کئے کی بدولت آتی ہے۔

(۶) ہر مصیبت سے بڑی مصیبت بھی ہوسکتی ہے۔ تو خوشی یہ ہوتی ہے۔ کہ اس سے بڑی تو نہیں آئی۔

(۷) مصیبت ایک روحانی ہوتی ہے دوسری جسمانی۔ خوشی یہ ہوتی ہے۔ کہ شکر ہے روحانی مصیبت تو نہیں آئی۔ روحانی مصیبت جیسے قساوت قلبی کا پیدا ہو جانا۔ یا دل میں غفلت کا پیدا ہو جانا۔

(۸) دوست دشمن کی پہچان ہو جاتی ہے

جزی اللہ الشدائد کل خیر
عرفت بھا عدوی من صدیقی

خدا ان مصائب کا بھلا کرے کہ ان کی بدولت میں نے دوست دشمن میں تمیز کی (مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یادگیر)

بقیہ چوہدری محمد عبداللہ مرحوم صفحہ نمبر ۱

پرانے دوست اور پنجابی ملی جلی زبان میں کچھ نہ کچھ کہتے خدا ترسی کا وصف بھی ان میں نمایاں طور پر موجود تھا۔ چنانچہ فقرا کو اپنے کھانے میں سے اکثر اوقات کچھ حصہ دے دیتے۔ اسی طرح حسب توفیق نقد امداد سے بھی مستحقین کو محروم نہ رکھتے

قادیان اور ربوہ کے ساتھ بہت محبت اور دلی اُنس تھا۔ چنانچہ انہوں نے قادیان میں چار کنال اور ربوہ میں تین کنال زمین خریدی تھی فسادات سے قبل جب یہ اپنے گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں سے قادیان آکر کئی کئی ہفتے قیام رکھتے تھے۔ ربوہ تو ان کو دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے وہاں اپنی محبت کے تقاضے سے تین کنال زمین خرید لی تھی۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ اور حضور کے خاندان اور حضرت نانا جان صاحب مرحوم کے ساتھ ان کو خاص محبت تھی۔ حضرت نانا جان نے آپ کا نام بھاگ دین سے تبدیل کرکے عبداللہ رکھا تھا۔ جس کا تذکرہ وہ بہت محبت سے کرتے تھے۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے چاروں طرف خاک چھانی لیکن کہیں تسلی اور اطمینان نصیب نہ ہوا اگر ہوا تو محمود (ایدہ اللہ تعالےٰ) کے ہاتھ پر ہوا۔ اب میں دوسروں کو کیا کروں۔ میرے لئے تو موجودہ زمانہ میں سب سے اچھے یہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کا سایہ بابرکت ہمارے سروں پر زیادہ سے زیادہ دیر تک قائم رکھے۔ آمین

فحش کلامی سے چوہدری صاحب احتراز کرتے تمام مذہبی کتب کی عزت کرتے۔ چنانچہ انہوں نے ایک گرنتھ صاحب بحفاظت ایک شخص حکمت رام کو دیا۔ نوجوانوں کو باہر گلی کوچوں میں ننگے سر پھرنے سے منع کرتے۔ غرضیکہ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔

قادیان میں رہائش ۱۹۴۸ء میں قادیان آکر حضرت ام وسیم احمد صاحب کے مکان کے ایک حصہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اس کے بعد تھوڑا تھوڑا عرصہ متفرق مقامات پر گذارنے کے بعد انہوں نے قریباً دو سال پیشتر مجھے آکر کہا کہ مجھے مسجد مبارک کے قریب جگہ دی جائے۔ چنانچہ انہیں حضرت نواب صاحب مرحوم کی دکانوں میں سے ایک دکان (جو کرم الٰہی صاحب والی) کھول دی گئی۔ جو ان کے پاس ان کی وفات تک رہی۔

بیماری اور وفات مورخہ ۲۲؍اگست کو انہیں بخار ہوا۔ لیکن باوجود بخار اور تکلیف کے انہوں نے جمعہ پڑھا۔ یہی بخار ان کی وفات کا باعث بنا۔ چنانچہ مورخہ ۲۶؍اگست کو پونے چھ بجے شام وفات پاگئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات احمدیہ ہسپتال کی بالائی منزل (سابق دفتر نظارت دعوۃ وتبلیغ) میں ہوئی وہاں سے مہمانخانہ لاکر غسل دیا گیا۔ اور بعد نماز عشاء جنازہ بھی مہمان خانہ میں پڑھا گیا اور بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ خدا تعالےٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلےٰ علیین میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

چوہدری صاحب جس خواہش کو لے کر قادیان آئے تھے خدا تعالےٰ نے اسے پورا کر دیا۔ گویا وہ منھم من قضیٰ نحبہ کے مصداق

اخبار پربھات کی خدمت میں

سکھ بھائیوں کا مشہور اخبار "پربھات" جو جالندھر اور امرتسر سے نکلتا ہے میں بعنوان "پاکستان میں احمدی فرقہ کے خلاف منظم اور خوفناک حملہ" ایک مضمون مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ چونکہ یہ سکھوں کا چوٹی کا اخبار ہے۔ اور جناب ماسٹر تارا سنگھ کے خیالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لئے امید تھی کہ اس میں احمدیہ جماعت کے متعلق محققانہ نظر ڈالی جائے گی۔ اور اس صلح کل اور پُر امن جماعت کے متعلق جس کے گہرے مراسم ہزاروں۔ لاکھوں سکھوں کے ساتھ ہیں۔ اور جو آج بھی فخر کے ساتھ سکھ مذہب کے بانی حضرت بابا نانک صاحب رح کا نام پوری عزت اور احترام سے دنیا کے گوشے گوشے میں بلند کر رہی ہے صحیح حالات درج کئے جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ زیر نظر مضمون میں علاوہ جابجا تاریخی غلطیوں کے بعض ایسی باتیں بھی لکھی گئی ہیں۔ جو یقیناً احمدیہ جماعت کیلئے دکھ دہ اور دلآزار ہیں۔ اور ہم معزز معاصر سے امید کرتے ہیں۔ کہ وہ آئندہ زیادہ محتاط رویہ اختیار کر کے احمدیہ جماعت اور اس کے بزرگوں کے متعلق کوئی ناروا مضمون شائع نہ کرے گی معاصر مذکور ہندوستان میں اقلیتوں کے جذبات کے احترام اور حقوق کی حمایت کا دعویدار ہے احمدیہ جماعت تو ایک بہت ہی چھوٹی اور بے ضرر اقلیت ہے۔ اور ہر مظلوم کی جائز حمایت کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے پھر کیا وہ اس بات کی حقدار نہیں کہ کم از کم اقلیتوں کے حامی اخبار اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں۔

ذیل میں ہم زیر نظر مضمون کی بعض اغلاط کے متعلق کچھ تحریر کرتے ہیں۔

(۱) مضمون نگار نے لکھا ہے کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی پیدائش ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ یہ تاریخی لحاظ سے درست نہیں۔ آپکی پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء کو ہوئی۔ (ملاحظہ ہو سلسلہ احمدیہ و سیرۃ المہدی)

(۲) اس مضمون میں آگے لکھا ہے کہ "باپ نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے زمینداری وغیرہ کے کام کی طرف توجہ دے مگر وہ کوئی کام نہ کر سکا۔ گھر سے ناراض ہو کر (حضرت) مرزا غلام احمدؑ نے سیالکوٹ کچہری میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بطور محرر ملازمت اختیار کر لی"۔

جہاں تک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دنیوی کاموں کی طرف بے رغبتی اختیار کرنے کا سوال ہے۔ وہ تو اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ دنیاداری کے کاموں کے لئے بنائے ہی نہ گئے تھے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آپ سے عظیم الشان روحانی اصلاح کا کام لینا چاہتا تھا۔ اور آپ کی دنیا کے کاموں سے بے رخی ایسی ہی تھی جیسے بابا گورو نانک صاحب کے والد صاحب کا لوجی آپ کو دنیوی دھندوں میں کامیاب بنانا چاہتے تھے لیکن آپ نے ہمیشہ ہی ان کاموں پر خدا تعالیٰ کو ترجیح دی سچے سودے کا واقعہ اور ایسے ہی اور واقعات اگرچہ بابا صاحب کے والد کی ناراضگی کا باعث بنے۔ لیکن اس سے بابا صاحب کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی ضرور حاصل ہوئی۔

بانی حضرت اقدس علیہ السلام کا سیالکوٹ میں سرکاری ملازمت اختیار کرنا گھر سے ناراض ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہ والد کی رضا میں ہی خدا کی رضا ہوتی ہے۔ اپنے والد ماجد کی منشاء اور خواہش کے مطابق تھا۔ اور اس ملازمت سے آپ کو اور آپ کے مشن کو بے شمار فائدے اصلاح خلق کے کام میں پہنچے۔ اور حضورؑ کی ملازمت کا یہ واقعہ حضرت گورو نانک صاحب کی سلطان پور میں مودی خانے کی ملازمت کے ساتھ ایک رنگ میں مشابہ ہے۔

اگرچہ اس امر کے متعلق تفصیل کی گنجائش نہیں۔ تاہم ذیل میں حضرت اقدس علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں آپؑ کی ملازمت وغیرہ کا مختصر بیان درج کیا جاتا ہے:۔

"میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے۔ کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف صحیح اور سچ بات ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں"۔

ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا میں نے استعفاء دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں۔ جو ابتلاء کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں۔ اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔

میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی۔ کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا"

(کتاب البریہ حاشیہ ص۱۵۲ تا ص۱۵۴)

(۳) ایک افسوسناک اور نہایت دلآزار بات مضمون نگار نے یہ لکھی ہے کہ مرزا صاحب کی صحت بہت خراب رہتی تھی۔ انہیں مالیخولیا بیہوشی۔ خفقان اور ہسٹریا کی بیماری بھی تھی صحت کی خرابی کی وجہ سے مرزا صاحب اکثر حواس باختہ بھی رہتے تھے"

افسوس ہے کہ مضمون نگار نے بلا تحقیق مخالفین احمدیت کی شر انگیز باتیں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے ہمارے لئے دلآزاری کی صورت پیدا کی۔

بے شک حضرت بانی سلسلہ کو دو بیماریاں تھیں یعنی دوران سر اور ذیابیطس کی بیماری لیکن دنیا میں کون سا بشر ہے کہ وہ خدا کا کتنا ہی مقرب اور برگزیدہ کیوں نہ ہو۔ جو بیماری اور کمزوری سے بچا ہو۔ جہاں تک دوران سر کی بیماری کا تعلق ہے۔ وہ ماہر اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے میں دماغ کی کمزوری کی علامت نہیں ہوتی بلکہ اس کے اعلیٰ اور شاندار ہونے کی علامت ہے۔ پھر یہ بیماریاں تو خود آپ کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کی علامت تھیں کیونکہ سابقہ پیشگوئیوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ آنیوالا موعود دو بیماریوں میں مبتلا ہوگا۔

باقی مضمون نگار کا یہ لکھنا کہ نعوذ باللہ آپ کو مالیخولیا یا ہسٹریا تھا۔ اور آپ اکثر حواس باختہ رہتے تھے۔ صدر درجہ جھوٹ اور خلاف واقعہ بات ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ظاہر و باہر تھا۔ کوئی چھپی ہوئی بات نہ تھی آپ اپنا اکثر وقت اپنے مریدوں اور دوسرے لوگوں میں گذارتے تھے۔ اور آپ کے قدموں میں ہر وقت موجود رہنے والے اصحاب اب تک زندہ موجود ہیں۔ جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ کہ یہ سب باتیں جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اعلیٰ درجہ کی دماغی اور دلی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اور آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ آپ کی شاندار تصانیف اور کارنامے اور آپ کی ہر ایک حرکت و سکون ان باطل خیالات کی کھلی کھلی تردید ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ خود اپنے زمانہ کے اعلےٰ ترین مفکر۔ مدبّر اور مصلح تھے بلکہ آپ کے دامن سے وابستہ ہونے والے اور آپ کی خوشہ چینی کرنے والے بھی آج دنیا کے علم و فکر میں ایک حیرت انگیز تغیر پیدا کر رہے ہیں۔ اور لازوال شہرت حاصل کر رہے ہیں سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور جماعت احمدیہ کی معقولیت اور تدبّر نہ صرف مذہبی دنیا میں بلکہ نا مذہبی دنیا میں بھی آج مسلّم ہے۔

مضمون نگار نے یہ غلط بات بھی لکھی ہے کہ آپ کی وفات ہیضہ سے ہوئی۔ آپ کے حالات زندگی سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے۔ کہ آپ کی وفات ڈائریا کے مرض سے ہوئی۔ اور کرنل سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور جنہوں نے آپ کا مرض الموت میں معائنہ کر کے سرٹیفکیٹ دیا نے بھی یہی بیماری لکھی (ملاحظہ ہو مجدد اعظم و سلسلہ احمدیہ)

(۴) مضمون نگار صاحب کی ناواقفیت کی ایک مضحکہ خیز مثال اس امر سے بھی ملتی ہے۔ کہ انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی کتابوں کے نام بھی صحیح نہیں لکھے۔ مثلاً تریاق القلوب کو "تریاکل تلوب" لکھا ہے۔ تحفہ گولڑویہ کو "تحفہ گولیوڑیہ" لکھا ہے۔ اور اسی طرح حضور اقدس علیہ السلام کے جو الہامات درج کئے ہیں ان میں بھی جا بجا غلطیاں پائی جاتی ہیں

(۵) مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "اسلام کا نشچہ ہے کہ حضرت محمد صاحب آخری نبی یعنی آخری رسول تھے۔ ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا" اس بات میں بھی ان کو مغالطہ لگا ہے۔ جہاں تک قرآن اور احادیث اور گذشتہ بزرگان اسلام مثلاً حضرت عائشہ رضی حضرت محی الدین ابن عربی رح۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رح حضرت ملا علی قاری۔ حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتی بانی دیوبند کے عقائد کا سوال ہے۔ ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف شرعی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ باقی ایسے نبی یا رسول جو شریعت محمدیہ کے تابع ہوں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے نور نبوت حاصل کیا ہو۔ قیامت تک آسکتے ہیں۔ اور یہی عقیدہ معقول اور درست ہے کیونکہ جب گناہ۔ پاپ اور گمراہی اور خدا سے دوری دنیا میں موجود ہے۔ تو ان کی اصلاح اور لوگوں کے دلوں میں روحانیت پیدا کرنے کے لئے نبی یا ریفارمر کیوں نہ آئیں۔ بلکہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی نت نئی ضرورتوں اور علمی فرزدقوں کے لئے تو کسی مصلح کا آنا بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔

بے شک موجودہ زمانہ کے بعض غلط روش اختیار کرنے والے علماء نے کسی نبی کے آنے کا دروازہ بالکل بند مان لیا ہے۔ لیکن یہ اسلامی عقیدہ نہیں۔ بلکہ موجودہ زمانہ کے بعض علماء کا غلط خیال ہے۔ جس کا ثبوت نہ عقل سے ملتا ہے۔ اور نہ نقل سے۔

اصل اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور تمام جماعت احمدیہ ختم نبوت کی قائل ہے اور اس مسئلہ پر ایمان و یقین رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت بانی سلسلہ خود تحریر فرماتے ہیں:-

"مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افترائے عظیم ہے ہم جس قوت یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھواں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے"

(الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء)

الغرض احمدیہ جماعت کے تاریخی حالات اور عقائد کوئی مخفی نہیں ہیں۔ اور ایک ذمہ دار اخبار کو جو اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کرنا اپنا فرض قرار دیتا ہے۔ احمدیہ جماعت کے بارے میں قلم اٹھاتے ہوئے محتاط اور ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ معزز معاصر "پرکھات" ان اغلاط کی تصحیح فرماتے ہوئے آئندہ نہ صرف احمدیت کے متعلق بلکہ ہر تحریک کے متعلق خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی اصل اور صحیح منبع سے حالات اخذ کر کے شائع کریگا۔ اور ان باتوں کو در خور اعتنا نہ سمجھیگا جو کسی تحریک کے دشمن اسے خواہ مخواہ بدنام کرنے کیلئے پھیلاتے رہتے ہیں۔

حیدرآباد میں علمی تقاریر اور درس القرآن کا اجراء

ا۔ ماہ جولائی ۵۲ء کے شروع سے ہر ہفتہ کی شام کو احمدیہ جوبلی ہال افضل گنج میں ایک علمی مجلس "مذاکرہ علمیہ" کے نام سے منعقد کی جاتی ہے۔ جس میں حسب ذیل مضامین پر اب تک تقاریر ہو چکی ہیں۔ اور ان تقاریر کے بارہ میں قبل ازیں مقامی اخبارات "رہنمائے دکن"۔ "نظام گزٹ" وغیرہ میں اعلان کیا جاتا ہے۔ احمدی احباب کے علاوہ غیر احمدی حضرات بھی ان مجالس میں شامل ہوتے ہیں۔ تقاریر کو بفضلہ تعالے پسند کیا گیا ہے۔ مکرم جناب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد نے اس کار خیر کے لئے ایک نیا لاؤڈ سپیکر بھی خرید کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اللہ تعالے اُن کے دینی و دنیاوی معاملات میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

نمبر شمار	تاریخ اجلاس منعقدہ	مضمون	مقرر
۱	۵ ۷/۵۲	الوہیت مسیح ناصری علیہ السلام	خاکسار شریف احمد امینی
۲	۱۲ ۷/۵۲	کفارہ	" " "
۳	۱۹ ۷/۵۲	فضائل قرآن مجید	" " "
۴	۲۶ ۷/۵۲	ضرورت مذہب	" " "
۵	۲ ۸/۵۲	ہستی باری تعالے	" " "
۶	۹ ۸/۵۲	اسلام اور امن عالم	حضرت عرفانی الکبیر صاحب
۷	۱۶ ۸/۵۲	اسلام اور آزادی	خاکسار شریف احمد امینی
۸	۲۳ ۸/۵۲	دونوں جہان میں فلاح پانے کی راہ	مکرم جناب سید بشارت احمد صاحب ایڈووکیٹ و امیر جماعت
۹	۳۰ ۸/۵۲	فلسفہ حج	خاکسار شریف احمد امینی

اسی طرح ماہ جولائی سے ہی ہر اتوار کی شام کو مشیرآباد بر مکان عبدالرؤف صاحب اور ہر بدھ کی شام کو سکندرآباد بر مکان مکرم مولوی مومن حسین صاحب قرآن مجید کا درس ہو رہا ہے۔ جس میں غیر احمدی حضرات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اب دو ہفتوں سے جمعہ کی شام کو مکرم محمد اسماعیل صاحب چنتہ کنٹہ کے مکان پر بھی قرآن مجید کا درس شروع کیا گیا ہے احباب سے درخواست ہے۔ کہ وہ ان نیک مجالس کی کامیابی اور نیک نتائج کے لئے دعا فرمائیں۔

والسلام

خاکسار شریف احمد امینی مبلغ سلسلہ احمدیہ از حیدرآباد

امراء و صدر صاحبان جماعتہائے ہند توجہ کریں

سیکرٹریان امور عامہ جماعت ہائے احمدیہ ہند کی رپورٹیں مرکز میں بہت کم پہنچتی ہیں۔ جس سے مرکز کو جماعتوں کے حالات کا پوری طرح علم نہیں ہوتا۔ جملہ امراء و صدر صاحبان کو تحریری طور پر بھی توجہ کئی بار دلائی جا چکی ہے۔ اب بذریعہ اعلان ہذا درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کے سیکرٹریان امور عامہ کی رپورٹیں باقاعدہ بھجوایا کریں۔ اور اس میں تساہل نہ ہونے دیں۔ جو جماعتوں کے پاس فارم موجود نہ ہوں۔ وہ اطلاع دے کر نظارت ہذا سے منگوا سکتے ہیں۔

خدا تعالے سب احباب کو اپنے فضل سے زیادہ سے زیادہ خدمات دینیہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(ناظر امور عامہ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان)

چھتیس سال قادیان میں

بقیہ صفحہ نمبر ۹

جس پر حضور نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ میں آئندہ مولوی صاحب سے مضمون نہ مانگا کروں گا حضور اور انتظام فرما رہے ہیں۔

اس دفعہ ادھر اس پر حضور کے ارشاد کو دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ دوڑا دوڑا حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں گیا۔ اور رقعہ پیش کیا۔ حضرت مولوی صاحب اسے دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ بات یہ ہوئی کہ حضرت مولوی صاحب نے میرا رقعہ اپنے دوسرے کاغذات میں رکھ لیا تھا۔ اور اسی دن حضور کی خدمت میں انہوں نے جو ضروری کاغذات بھیجے۔ ان میں سہواً وہ رقعہ بھی بھیج دیا۔ حضور چونکہ ان کی مصروفیات کو جانتے تھے۔ اس لئے باقاعدہ مضامین نویسی سے انہیں چھٹی عطا کر دی۔

درخواست دعا۔ میری والدہ صاحبہ تقریباً دو ماہ کے عرصہ سے سخت خونی پیچش میں مبتلا ہیں۔ درمیان میں صرف چند دنوں کا وقفہ ہو گیا تھا۔ مگر اب پھر بیماری نے پلٹا کھایا ہے۔ اگرچہ ڈاکٹری علاج جاری ہے۔ مگر ہنوز کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ کمزوری حد درجہ ہو گئی ہے۔ لہذا اکرام صحابہ کرام سے خصوصاً اور بزرگ احباب سے عموماً درد مندانہ التجا ہے کہ صحت کاملہ عاجلہ کیلئے درد دل سے دعا فرماویں۔ سید حامد الدین (خورشید پور)

قربانی اور اُس کا فلسفہ!

―۲―

از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب مولوی فاضل قادیان

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی تائید سے اس مضمون پر اپنی کتاب خطبہ الہامیہ میں خوب بحث کی اور تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور قربانیوں کا فلسفہ اور اس کی حکمت نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائی ہے جس سے قربانی کی حکمت اور اس کی اصلیت و حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ جس میں آپ قربانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"یہ کام ان کاموں میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا موجب ہوتے ہیں۔ اور اس سواری کی طرح سمجھے گئے ہیں۔ جو اپنی سیر میں بجلی کے مشابہ ہوں جن کو بجلی کی چمک سے مشابہت حاصل ہو۔ اور اس وجہ سے ذبح ہونے والے جانوروں کا نام قربانی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ حدیثوں میں آتا ہے کہ یہ قربانیاں خدا تعالیٰ کے قرب اور ملاقات کا موجب ہیں۔ اس شخص کے لئے جو قربانی کو اخلاص اور خدا پرستی اور ایمانداری سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ قربانیاں شریعت کی بزرگ تر عبادتوں میں سے ہیں۔ اور اسی لئے قربانی کا نام عربی زبان میں نسیکہ ہے اور نسک کا لفظ عربی زبان میں فرمانبرداری اور بندگی کے معنوں میں آتا ہے۔ اور ایسا ہی یہ لفظ یعنی نسک ان جانوروں کے ذبح کرنے پر بھی زبان مذکور میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جن کا ذبح کرنا مشروع ہے پس یہ اشتراک کہ جو نسک کے معنوں میں پایا جاتا ہے قطعی طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حقیقی پرستار اور سچا عابد وہی شخص ہے جس نے اپنے نفس مع اس کی تمام قوتوں اور مع اس کے ان محبوبوں کے جن کی طرف اس کا دل کھینچا گیا ہے۔ اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے ذبح کر ڈالا ہے اور خواہش نفسانی کو ذبح کیا یہاں تک کہ تمام خواہشیں پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ اور نابود ہو گئیں۔ اور وہ خود بھی گداز ہو گیا۔ اور اس کے وجود کا کچھ نمونہ نہ رہا۔ اور چھپ گیا۔ اور فنا کی تند ہوائیں اس پر چلیں اور اس کے وجود کے ذرات کو اس ہوا کے سخت دھکے اڑا کر لے گئے۔ اور جس شخص نے ان دونوں معنوں میں کہ جو باہم نسک کے لفظ میں مشارکت رکھتے ہیں۔ غور کی ہو گی اور اس مقام کو تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہو گا۔ اور اپنے دل کی بیداری اور دونوں آنکھوں کے کھولنے سے پیش دہیں کو زیر نظر رکھا ہو گا اس پر پوشیدہ نہیں رہے گا اور اس امر میں کسی قسم کی نزاع اس کے دامن کو نہیں پکڑے گی۔ کہ یہ دونوں معنوں کے اشتراک کہ جو نسک کے لفظ میں پایا جاتا ہے۔ اس بھید کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ عبادت جو آخرت کے خسارہ سے نجات دیتی ہے۔ وہ اس نفس امارہ کا ذبح کرنا ہے۔ جو برے کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ جوش رکھتا ہے۔ اور ایسا حاکم ہے۔ کہ ہر وقت بدی کا حکم دیتا رہتا ہے۔ پس نجات اس میں ہے۔ کہ اس برا حکم دینے والے کو انقطاع الی اللہ کے کاردوں سے ذبح کر دیا جائے۔ اور خلقت سے قطع تعلق کر کے خدا تعالیٰ کو اپنا مونس اور آرام جاں قرار دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ انواع و اقسام کی تلخیوں کی برداشت بھی کی جائے تا نفس غفلت کی موت سے نجات پائے۔ اور یہی اسلام کے معنی ہیں۔ اور یہی اطاعت کی حقیقت ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جس نے اپنا سر ذبح کے لئے خدا تعالیٰ کے آگے رکھ دیا ہو۔ اور اپنے نفس کی اونٹنی کو اس کے لئے قربان کر دیا۔ اور ذبح کے لئے پیشانی کے بل اس کو گرا دیا۔ اور موت سے ایک دم غافل نہ ہوا۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ ذبیحہ اور قربانیاں جو اسلام میں مروج ہیں۔ وہ سب اسی مقصود کے لئے جو بذل نفس ہے۔ بطور یاد دہانی ہیں۔ اور اس مقام کے حاصل کرنے کیلئے ایک ترغیب ہے۔ اور حقیقت کے لئے جو سلوک تام کے بعد حاصل ہوتی ہے ایک ارہاص ہے۔"

اسی طرح فرماتے ہیں:-

"اصل روح کی قربانی ہے۔۔۔۔ اور بکروں وغیرہ کی قربانیاں روح کی قربانی کے لئے مثل سنائیوں اور آثار کے ہیں"۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے جس قربانی کا حکم دیا ہے۔ وہ اپنے اندر کیسے کیسے راز رکھتی ہے۔ اسلام میں قربانی اور اس کی حکمت اپنے اندر کیسے کیسے حقائق مخفی رکھتی ہے ان قربانیوں سے مراد اپنے نفس کی تیزی و تندی اور اس کے طبعی جذبات کی قربانی ہے۔ اسلام اور قربانی دراصل ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اور ان کا مدعا اور مقصود اور ان کی غرض و غائت اور مآل ایک ہی ہے۔ یعنی مسلم صرف وہی انسان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی رضوان اکبر اور اس کے وصال کو جو اسکی زندگی کا حقیقی اور صحیح مقصد ہے۔ حاصل کرنے کے لئے پے در پے قربانیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ اور کسی مقام پر نہیں رکتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

اسلام اس چیز کا نام ہے کہ انسان اپنا سب کچھ تن من دھن صرف خدا پر قربان اور نثار کر دے۔ اس کا نام حقیقی قربانی ہے جانوروں کی قربانی اسی سبق دینے کے لئے رکھی گئی ہے۔ اسلام قرآن کریم اور شریعت نے جو احکام اوامر اور نواہی کی صورت میں مسلمانوں کو دیئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان پر انسان اگر صحیح معنوں پر چلے تو اس کی ساری زندگی قربانی بن جاتی ہے۔ اس کی اپنی مرضی درمیان میں نہیں رہتی اس کے ذریعہ سے اسکی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتی ہے۔ گویا اس کا نفس قربان ہو جاتا ہے۔ اسلام پر چلنے سے انسان خدا کے لئے قربان ہو جاتا ہے۔ اسلام نے ظاہری طور پر انسان کے ذبح کئے جانے کو روک دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے کہ انسان اپنی طرف سے زندہ رہ کر خدا تعالیٰ کی اطاعت کا کامل نمونہ دکھا دے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مار دے۔ یا کسی کے ذریعہ سے وہ اپنے آپ کو ذبح کرا لیوے۔ تو یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے خودکشی اور اپنی ظاہری قربانی سے روک دیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ادنیٰ چیز ہے۔ اور بزدلی کا مجسمہ ہے۔ بہادر وہ ہے جو زندہ رہ کر اپنے اوپر موت وارد کرے اور وہ بھی صرف خدا کے لئے۔ تب اسکی قربانی حقیقی قربانی سمجھی جاتی ہے۔ ہاں اگر اعتبار اور دشمنوں کے ہاتھوں سے وہ خدا کے راستہ میں مارا جاوے۔ تو یہ بھی اس کی قربانی ہے۔ کیونکہ وہ اسے خدا کے حکم کے ماتحت اس کی رضا کی خاطر قبول کرتا ہے۔ گویا اس صورت میں بھی اس کی جان بہادرانہ طور پر اس کے رستہ میں نکلی ہے لیکن جو شخص خدا کے راستہ میں ڈر کر یا اس کے احکام سے گھبرا کر اپنے آپ کو ظاہر طور پر قربان کروانا چاہتا ہے۔ وہ بزدل ہے بہادر نہیں۔ وہ دراصل اپنی جان کو خدا کے لئے خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ بلکہ اسے جلدی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جو شخص اس کے احکام پر عمل کرتے کرتے اس کی راہ میں ظاہری طور پر بھی مارا جاتا ہے وہ بہادر ہے اور حقیقی قربانی کرنے والا ہے۔ چنانچہ انبیاء کی زندگیاں ہر وقت دشمنوں کے قتل کے منصوبوں اور شرارتوں کی وجہ سے نت نئی قربانی پیش کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

صد حسین است در گریبانم

کہ حضرت حسینؓ والی موت تو ہم پر ہر وقت آتی رہتی ہے۔ اور ہم ہر وقت خدا کی راہ میں مر کر زندہ ہوتے رہتے ہیں۔ گو ظاہری طور پر ذبح ہونے سے بچے رہیں۔

پس مسلم وہ ہے جو بہادر اور جوانمرد ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں پیش کرتا چلا جاتا ہے اور دنیا سے نہیں ڈرتا۔ وہ خدا تعالیٰ کی حبل المتین کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ وہ ایسے مضبوط کڑے پر ہاتھ ڈالتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ وہ اسے مضبوطی سے پکڑ لینے کے بعد ہر خطرہ سے بالا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا ہے تو دنیا کیلئے نمونہ ہوتا ہے۔ اگر مارا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے آستانہ اور اس کی گود میں جگہ پاتا ہے اور اسے کسی امر کا خوف نہیں ہوتا۔ اس کا ماضی بھی شاندار اور اس کا مستقبل بھی پائدار ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے اپنے مقام سے متزلزل نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے ارادہ کی وجہ سے سب پر غالب آتا

ضرورت مذہب

تقریر مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیری (حیدرآباد دکن)

برموقعہ جلسہ سالانہ قادیان

(۲)

اسی طرح پروفیسر ہیرڈ لکھتے ہیں :-

"میں کیوں پابند مذہب ہوں۔ اسلئے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے۔ کہ یہ وراثت یا تربیت مزاج کا اثر ہے — میں نے خود اپنی رائے پر ہی اعتراض کیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ حل نہیں ہوتا۔ مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی زندگی کے لئے ہے۔ اس سے زیادہ عام ہیومینیٹی کو ہے۔ مذہب کی شاخ و برگ کئی دفعہ کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے۔ اور اس نے نئے برگ و بار پیدا کر لئے ہیں۔ اس بناء پر مذہب ابدی چیز ہے۔ وہ کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے لہذا فلسفیانہ تفکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی حدِ زندگی مذہب ہی سے قائم ہوتی ہے۔ اور اسی سے قوت پائے گی۔"

پھر گاندھی جی لکھتے ہیں :-

"بعض انسان ایسے ہیں جو عقل کی خودی میں آ کر کہتے ہیں کہ انہیں مذہب کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ وہ سانس لیتا ہے۔ لیکن اس کا ناک نہیں۔"

پس انسان کی فطرت پکار پکار کر مذہب کی ضرورت کا احساس کراتی ہے۔ اس لئے مذہب کی ضرورت سے دانشمند انسان زندگی کی قدر و قیمت سمجھنے والا انسان انکار نہیں کر سکتا۔ پس فطری طور پر انسان کو ہمیشہ مذہب کی ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں انسان اپنی زندگی کے قیام و بقاء کے لئے بہت سے اسباب اور سہاروں کا محتاج ہے۔ جس طرح انسان کا اپنا جسم مع ذرات جسم کے اور اس کے قویٰ و حواس اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں۔ اسی طرح وہ اسباب اور وہ سہارے کہ جن پر اس کی زندگی کے قیام کا مدار ہے وہ بھی اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ بلکہ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ اور اس ذات کی طرف سے پیدا کردہ ہیں جس نے انسان کو پیدا کیا۔ اگر انسان خود ان اسباب کو بنانا چاہتا تو وہ ان کو اس رنگ میں نہیں بنا سکتا تھا۔ جس رنگ میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنایا ہے۔ جس طرح ایک مشین کا صرف دیکھنے والا اسکے اندرونی و بیرونی پرزوں، اس کی ساخت طریق استعمال اور ذرائع حفاظت سے بغیر اس کے موجد و کاریگر کی اطلاع کے واقف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک انسان اپنے ظاہری و باطنی قویٰ کے طریقہ استعمال اور اپنی بقاء کے طریقہ سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کا پورا علم اس کے خالق و موجد کی جانب سے نہ دیا جائے مذہب ہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالےٰ نے انسان کے باطنی قویٰ کے قیام و بقاء کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اس امر کے سمجھنے کے لئے ایک چھوٹی سی مثال کافی ہو گی۔ جو مثال خود انسان کی خلقت کے اندر موجود ہے۔ انسان کے ظاہری حواس میں سے آنکھ دیکھنے کا۔ کان سننے کا۔ ناک سونگھنے کا۔ اور پاؤں چلنے کا کام دیتے ہیں۔ لیکن کوئی آنکھ اس وقت تک نہیں دیکھ سکتی جب تک خارجی روشنی اشیاء کا عکس اس آنکھ کے آئینہ پر نہ ڈالے۔ اور کوئی کان اُس وقت تک نہیں سُن سکتا جب تک انسان کے منہ کی ہوا (آواز) کر دارض کی ہوا میں تموج نہ پیدا کرے۔ کوئی ناک نہیں سونگھ سکتی۔ جب تک ہوا کسی خوشبو کے ذرات خود جذب کر کے ناک کے آلات تک نہ پہنچائے اور کوئی پاؤں اس وقت تک چل نہیں سکتا جب تک انسان کی کشش انسان کے پورے بوجھ کو ایک مرکز ثقل پر قائم نہ کرے۔ پس گو انسان آنکھ سے دیکھتا اور کان سے سنتا اور ناک سے سونگھتا ہے۔ لیکن یہ انسانی قویٰ روشنی و ہوا کی خارجی امداد کے بغیر کام نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اس علیم و حکیم خدا کا انتظام انسان کے اندرونی قویٰ کے بارہ میں بھی ہے۔ اور ظاہری قویٰ کے ظاہری انتظامات کے ساتھ ہی یہ بات بآسانی ذہن میں آ سکتی ہے۔ کہ جس خدا نے انسان کے ظاہری قویٰ کے قیام کیلئے یہ اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔ اسی خدا نے انسان کے باطنی قویٰ کے قیام کے لئے بھی کچھ خارجی اسباب پیدا کئے ہوں گے۔ کوئی معقول آدمی یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ جس خدا نے آنکھ کے دیکھنے کے لئے سورج۔ چاند۔ تارے بجلی اور روشنی پیدا کر دی۔ جس نے ناک کے سونگھنے اور کان کے سننے کے لئے ہوا سے کام لیا۔ جس نے انسان کو زمین پر چلنے کے لئے خود زمین میں قوت، کشش پیدا کر دی۔ وہ ذات اندرونی اور باطنی قویٰ کے قیام کے لئے کوئی ذرائع مہیا کرنے سے غافل رہی۔ پس جب باطنی قویٰ کا وجود اور ان کی تربیت و بقاء کی احتیاج مسلّم ہے تو ان ذرائع و اسباب کا وجود بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ جو انسان کی ظاہری و باطنی قویٰ کی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ انہی ذرائع و اسباب کا نام بحیثیت مجموعی مذہب ہے۔

تیسرا امر جس سے یہ ثابت ہوگا کہ انسان کے لئے مذہب کی ضرورت ہے۔ وہ دنیا میں قوانین کا وجود ہے۔ اب تو لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے لئے ایک قانون و ضابطہ مقرر ہے۔ جس کی رُو سے دنیاوی حکومتیں اپنی رعایا کو اُن قوانین اور اصولوں کے ماتحت چلاتی ہیں۔ کیا خدا ہی ایسا کمزور وجود رہ گیا کہ نعوذ باللہ اس کا ہی کوئی قانون نہیں کہ جس کے ماتحت اس کی مخلوق زندگی بسر کر سکے اور اپنے نفع و نقصان کو پہچان سکے نیکیوں کو ادا کر سکے۔ بدیوں سے مجتنب رہ سکے ایسی قانون کا نام مذہب اور اس کی ضرورت۔ "ضرورت مذہب" کہلاتی ہے۔ پس انسانی فطرت نے قانون کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذہب انسانی دل پر حکومت کرتا ہے۔ اور وہ بتاتا ہے۔ کہ خدا نے یہ بات انسان کے فائدے کیلئے رکھی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ مذہبی قوانین کی نہایت شوق سے پابندی کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے ظاہری قوانین کا انسانی دل پر کوئی اثر نہیں۔ وہ صرف ظاہری افعال پر حکم لگا سکتے ہیں۔

۳۔ پھر مذہب کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ دنیا کو ایک عالمگیر اخوت کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے۔ اور ہے۔ اور یہ کام بغیر مذہب کے اور کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

۴۔ پھر مذہب کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اگر مذہب نہ ہو تو انفرادی ترقیات میں روک پیدا ہو گی اور اس کا حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

۵۔ پھر مذہب کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو دنیا کی سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت چیز یعنی انسان کا کسی عمل کو بجالاتے وقت بلحاظ نیت اچھا ہونا اور اچھی نیت سے عمل کرنا ضائع جائیگی پس مذہب ہی ہے جو اس جذبہ کی قدر کرتا اور انسانی نیتوں کو عمل قرار دیتے ہوئے نیت کے مطابق جزا و سزا دے کر انسان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی اجر دینے سے محروم نہیں کرتا۔

پس امور بالا اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ مذہب کی ضرورت انسان کے لئے ایک ناگزیر چیز ہے جس سے کسی وقت بھی فرار ممکن نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی انسان مسلمہ حقیقت رشتہ امر بھی انکار کر جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ناراضگی مول لے۔ اور اپنے پیدا کرنیوالے خدا کے عطا کردہ انعام "مذہب" کو ٹھکرا دے۔

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ مذہب دنیا میں لڑائی جھگڑے پیدا کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے مذہب ہی تو وہ چیز ہے۔ کہ جس پر عمل کر کے انسان حقیقی آرام اور سکون حاصل کر سکتا ہے۔ مذہب ہی وہ نعمت غیر مترقبہ ہے کہ انسان اس کا صحیح معنوں میں مطالعہ کرے۔ اور مذہب کے بتائے ہوئے اصولوں پر حقیقی معنوں میں عامل ہو تو اُسے پتہ لگ جائے گا کہ مذہب ہی مذہب ہے۔ جو دنیا کے امن کا ذمہ دار ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک علمبرداران مذہب جو حقیقی معنوں میں اس کے پھیلانے والے خدا ترس تھے۔ اُن کے صدہا نیکیوں کے کارناموں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ ان کے وجودوں سے دنیا نے امن حاصل کیا اور نیکی کا نیک نمونہ سیکھا یہی وہ وجود تھے۔ کہ جن سے دنیا فسادات سے محفوظ رہی۔ ہاں غلط فہمی، بے بنیاد یا فرضی واقعات پر مبنی بعض (باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو)

مومنانہ بھائی چارہ

از جناب مولانا محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ مقیم کلکتہ

فی زمانہ گفتار کے غازی تو بہت نظر آتے ہیں۔ مگر کردار کے دھنی ڈھونڈے سے نہیں ملتے الٹی سیدھی نمازیں، ٹوٹے پھوٹے روزے، نمائشی حج، ریاکاری کی زکوٰۃ اور کلمۂ توحید کا زبانی جمع خرچ تو فراواں ہے لیکن صدیقی عبادتیں فاروقی عدالتیں، عثمانی بردباریاں اور علوی جانبازیاں عنقا ہیں۔ حالی مرحوم لکھتے ہیں۔

"قوم کی حالت تباہ ہے۔ عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں۔ اور بگڑتے جاتے ہیں تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ امراء جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ غافل اور بے پرواہ ہیں۔ علماء، جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔" (دیباچہ مسدس)

مقام حیرت ہے کہ وہی قرآن جس نے عرب کے خاک افتادوں کو فلک نشیں بنا دیا اور ریت کے ذروں کو ہمکنار ثریا کر دیا دورِ حاضر کے مسلمانوں کی کایا کلپ اور ان کے دل و دماغ کی قلب ماہیت سے معذور ہے۔

اندریں حالات اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اپنی بدحالی کا جائزہ لیں اور اُن وجوہات کا سراغ لگائیں جن کے باعث ان کی یہ گت بنی ہے۔ قرآن، اسلام کو تو الزام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس اکسیر اعظم کی سو فیصدی کامیابی تو عالم آشکار ہے۔ البتہ یہ ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ جس طرح کوئی نادان اور بدقسمت مریض تیر بہدف دوائی پاکر بھی اُسے استعمال نہیں کرتا اور نہ ماہر امراض کی ہدایات کو خاطر میں لاتا ہے۔ اُسی طرح خود مسلمان ہی قرآن و اسلام سے روگردان اور نباضِ حقیقی کے ارشادات سے گریزاں ہیں۔

غرض اصل چیز یہی ہے کہ اہل اسلام عزم صمیم کے ساتھ اپنی پوری پوری اصلاح کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ ان کی موجودہ نکبت و ادبار کے اسباب و علل تو ایک کھلا ہوا راز ہے جس سے ہر کہ و مہ واقف و آگاہ ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کے ارشاد اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ[1] ہی کو لے لیجئے۔ کہ تقویم پارینہ کا بے خطا علاج ہے۔ صحابۂ کرام نے اس پر عمل کیا۔ تو ان کے ٹوٹے ہوئے دل بھی جڑ گئے۔ مگر آج کے مسلمان نے اس سے غفلت برتی تو اس کی تنظیم کا شیرازہ بکھر گیا۔ بلاشبہ باہمی ہمدردی کا فقدان وہ زہریلا ناگ ہے کہ جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔

عربوں کی اندرونی آویزش، خود پسندی اور ہر نوع کی بد خواہی ایک عریاں داستان ہے۔ مگر مومنانہ بھائی چارہ ایسا کرشمہ ثابت ہوا کہ باہمی ہمدردیاں ایک نمونہ بن گئیں۔ کجا نشتنی رقابتیں اور دیرینہ عداوتیں اور کجا قلبی اُلفتیں اور پائندہ محبتیں، جی چاہتا ہے۔ کہ بطور مشتے از خروارے اس انقلاب عظیم کے چند قابل تقلید نمونے اس غرض سے قلمبند کئے جائیں، تا اہل مسلمان اپنے ماضی اور حال پر نگاہ ڈال کر سوچیں کہ ؎

کل کون تھے آج کیا ہو گئے ہیں
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے ہیں

حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جو بزبانِ قرآن کریم ہمارے لئے اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ ہیں۔ عمر بھر ہمدردیٔ بنی نوع انسان کی تصویر بنے رہے۔ آپؐ کے قلب مطہر میں اپنے خدام کے لئے رحمت و رأفت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کی ذرہ سی تکلیف آپ کو تڑپا دیتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ" یعنی اے مسلمانو! محمد رسول اللہ صلعم پر تمہاری ذرہ سی تکلیف بھی گراں گذرتی ہے۔ وہ تمہاری سود و بہبود کے لئے بڑا آرزو مند اور مومنوں کے لئے رأفت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ درد مند دل کا میسر آجانا بھی ایک نعمت عظمےٰ ہے۔ ورنہ بہتوں کے سینے تو بیسیوں کے پتھر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آیت ذیل میں اسی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ فرمایا

فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ، یعنی اے ہمارے نبی یہ اللہ کے فضل و کرم کا کرشمہ ہے کہ اُس نے تجھے ایک ایسا گداز دل بخشا ہے۔ کہ تو مومنوں کے حق میں سراپا عفو و درگذر بن گیا ہے۔ ورنہ اگر تو تند مزاج اور سنگدل ہوتا تو لوگ تیرے سامنے سے بھاگ بھاگ جاتے۔ پھر فرمایا:- لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ اے نبی اس غم کے مارے کہ لوگ راہِ راست پر نہیں آتے، شائد تو اپنی جان پر کھیل جائے گا۔ ان آیات قرآنیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت واقعی اس شعر کی مصداق تھی ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کا وجود باوجود ایک مقناطیس تھا جو ایک عالم کو کشاں کشاں پابندِ وفا بنائے جاتا تھا۔ یا ایک چشمۂ شیریں تھا کہ تشنہ لب زمانہ مور و ملخ کی طرح امڈا چلا آتا تھا۔

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم یوں نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے تھے۔ جیسے بتیس دانتوں میں زبان۔ مگر آپؐ کی رحمدلی حلم و بردباری، بہی خواہی ہمدردی و پاسداری آخر دشمنوں کے دلوں میں گھر کر گئی۔ اور وہ جو کل تک خون کے پیاسے تھے آپؐ پر جان چھڑکنے لگے۔ غرض وہ نسخۂ کیمیا جو چشم زدن میں جانی دشمنوں کو جان نثار دوست بنا دے۔ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔" اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" یعنی دفع شر کے لئے حسن تدبیر سے کام لو گے تو نہ صرف یہ کہ دشمن دشمن نہ رہیگا بلکہ وہ دلی دوست بن جائے گا۔ اس ارشاد باری کی عملی تفسیر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ میں بکھری پڑی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اس سے ایتائیں اور بے حد و بے حساب فائدہ اُٹھائیں۔ کاش موجودہ زمانے کے مسلمان جو قُلُوْبُھُمْ شَتّٰی[2] کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ نبی معصومؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرکے اپنے تئیں بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ بنا سکیں۔

آج کل اشیاء خوردنی کی کمیابی نے ایسا رنگ اختیار کر لیا ہے کہ قرآن مجید کی پیشگوئی یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ[3] حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ یوں تو دنیا میں کال پڑتے ہی رہتے ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی وبا نہیں ہے۔ کہ جس سے اہلِ عالم نا آشنا ہوں۔ مگر یہ نرالا قحط ہے۔ جو آج کل رونما ہے۔ پہلے زمانوں میں جب خشک سالی یا کسی اور حادثہ کے سبب فصلیں تباہ ہو جاتی تھیں۔ تو قحط کا عذاب ظاہر ہوتا تھا۔ مگر اس زمانہ میں خوردنی اجناس کی فراوانی کے باوجود بلیک مارکیٹ کی لعنت نقلی قحط کا باعث بنی ہوئی ہے۔ جو اصلی قحط سے کہیں زیادہ خوفناک اور تباہ کن ہے۔ کیونکہ لوگوں کے خون سفید ہو گئے ہیں۔ اور ہمدردیٔ بنی نوع کا پتہ تک نہیں ملتا۔

اگرچہ ارباب حکومت کنٹرول وغیرہ کے ذریعہ اس کا سدباب کرنا چاہتے ہیں مگر جب تک لوگوں کے دلوں میں ہمدردیٔ خلائق کا بیج نہ بویا جائے۔ موجودہ فاقہ مستی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اسی جذبۂ امداد باہمی کا فقدان یہ رنگ لایا ہے۔ کہ ہر قسم کے سامان سے بھری ہوئی دکانیں کنٹرول کا اعلان ہوتے ہی آن کی آن میں یوں خالی ہو جاتی ہیں کہ گویا کسی نے جھاڑو دے دی ہو۔ بلیک مارکیٹ کے رسیا کھلا کہاں گوارا کر سکتے ہیں کہ ضروریاتِ زندگی ارزاں فروخت ہوں۔ اور غریب و نادار اُن کے پہلو بہ پہلو جی سکیں۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ کھانے پینے کا سامان کم ہو گیا تو آپؐ نے اعلانِ عام کروا دیا کہ سب لوگ اپنا اپنا اثاثہ لاکر ایک جگہ جمع کر دیں۔ یہ سنتے ہی ہر شخص بلاتامل اپنی ساری کائنات حاضر کر دی۔ غرض دیکھتے ہی دیکھتے غلے کا ایک انبار لگ گیا۔ جو ہر ایک کی ضرورت کے مطابق، روزانہ خاص و عام میں بٹنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط ٹل گیا۔ اور ایک بار پھر ضروریات زندگی خاطر خواہ میسر آنے لگیں۔

ایسا کامیاب کنٹرول ایسا جذبۂ ایثار اور ایسا نمونہ، ہمدردی ہی کفیل اور ضامن ہے۔ قومی سرفرازی اور اقبال مندی۔ کاش موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں قوم پروری کا یہ قیمتی جوہر پیدا ہو سکے۔ کہ اس کے بعد نہ امیر، غریبوں کا خون چوسیں گے اور نہ غریب امیروں کو تہس نہس کرنے کے منصوبے سوچیں گے۔ بڑوں کا کبر و غرور اور چھوٹوں کی شوخی و بدتمیزی آج دور ہو جائے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے رنج و راحت میں ایمانداری و ہمدردی سے شریک ہونے لگیں اور یہ سمجھ لیں کہ ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی کس مپرسی اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ آخر جب دشمن نے بے دریغ قتل و غارت اور خونریزی کرکے انہیں مٹانا چاہا تو مجبور و مقہور مسلمانوں کو بھی تلوار اٹھائے بغیر چارہ نہ رہا۔ ایک مرتبہ جنگ ہو رہی تھی گھمسان کا رن

---

[1] تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

[2] ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔

[3] ایک دن آسمان کھلا کھلا قحط برپا کرے گا۔

پڑا تھا۔ اپنے پرائے کی تمیز نہ تھی۔ کہ اچانک زخمیوں کو پانی پلانے والے نے دیکھا کہ نصف درجن کے قریب مسلمان ہوہان اور زخموں سے چور پڑے گویا دم توڑ رہے ہیں۔ یہ لپکا کہ ہوسکے تو پانی کا ایک ایک قطرہ ان کے حلق میں ٹپکا دے۔ پاس آیا تو جاں بلب زخمی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا کہ وہ زیادہ پیاسا ہے ساقی نے ادھر دیکھا تو اُس نے تیسرے کی طرف اشارہ کیا۔ غرض ہر "لاسشہ" اپنے رفیق سفر کی طرف اشارہ کرتا رہا۔ مگر جب ساقی آخری زخمی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ فوراً پلٹا مگر یکے بعد دیگرے سب کو مردہ پایا۔ ایثار نفس کا یہ نمونہ کس قدر شاندار اور بے مثال ہے۔ ضرورت ہے کہ اہل اسلام ایسے عالی حوصلہ اور ایثار پیشہ بنیں۔ کیونکہ یہ موت موت نہیں۔ بلکہ ابدی زندگی کا پیغام ہے۔

جب تک مسلمان اپنی گفتار و کردار میں ایسا بلند کیرکٹر اور ایثار پیشہ ثابت نہ ہوگا۔ اُس کا سنبھلنا ناممکن ہے۔ اور اگرچہ اسقدر بلند پایہ۔ خدائی عالت کی بہم رسانی کا رسے دارد مگر بقول شخصے ؎

یغوص البحر من طلب اللآلی
ومن طلب العلی سہر اللیالی

جیسے غوطہ زنی کے بغیر سمندر کی تہ میں بکھرے ہوئے موتی کیونکر ہاتھ آسکتے ہیں۔ اور شب بیداریوں کے بغیر سربلندیوں کے خواب کیونکر شرمندۂ تعبیر ہوسکتے ہیں۔

آخر قرون اولٰے کے مسلمانوں سے اللہ تعالےٰ کا کوئی ناطہ اور ہم سے خواہ مخواہ کا بَیر تو نہیں کہ وہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتے چلے گئے۔ اور ہم ہیں کہ اُبھرنے کا نام نہیں لیتے۔ اگر ان کی باہمی غمخواری و ہمدردی اور وحدت و یکجہتی نے انہیں فولادی انسان بنا دیا۔ تو ہمیں ہماری نفسا نفسی اور مطلب پرستی نے پرکاہ سے بھی گیا گذرا کر دیا۔

جب اہل مکہ کے ظلم وستم کی حد نہ رہی اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ تو وہ بہر در ویش برجانِ درویش ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ مگر مدینہ پہنچے تو ایسی بے سروسامانی کے عالم میں کہ خدا کی پناہ۔ نہ سرمایہ تھا نہ کوئی اور ذریعۂ معاش، اس پر غریب الوطنی مستزاد۔ لیکن جب محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم فرما دیا تو باہم ایسا ربط وضبط اور مہرووفا کی بنیاد پڑ گئی کہ ماں جائے بھائیوں کو مات کر دیا۔ انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور اس مرغوب خاطر برادری کا عملی ثبوت دینے کے لئے اپنی

ایک ایک چیز ان کے سامنے لا رکھی۔ کہ آدھا آدھی بانٹ لی جائے۔ حتیٰ کہ جس کی دو بیویاں تھیں اُس نے اپنے مہاجر بھائی کی خاطر ایک بیوی کو طلاق تک دے دینے کی آمادگی ظاہر کر دی تاکہ وہ اس مطلقہ سے شادی کر لے۔

اس کے مقابلہ میں مہاجرین کی سیر چشمی اور خودداری بھی قابلِ داد ہے۔ کہ جنہوں نے انصار کی فیاضانہ پیشکش کو قبول کرنے سے بہزار تشکر و امتنان معذرت چاہی اور عزم واستقلال سے کام لے کر جلد ہی کسب معاش کے کامیاب سامان فراہم کر لئے۔

انصار و مہاجرین کا باہمی تعاون، ہمدردی خبرگیری اور غمخواری ایسا نمونہ ہے۔ جسے اپنا کر موجودہ زمانہ کے مسلمان آج بھی صد سالہ دیکھ جان ہوسکتے ہیں۔ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل عربوں کے اندر جو انقلاب عظیم رونما ہوا اُس کا ذکر قرآن کریم میں بایں الفاظ ملتا ہے۔

اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔ ذرا یاد تو کرو وہ زمانہ جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا کر دی کہ تم بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم باہمی عداوتوں کے سبب جہنم کے کنارے پر کھڑے اس میں گرا ہی چاہتے تھے۔ کہ ہم نے اپنے فضل وکرم کا سہارا دے کر تمہیں بچا لیا۔ سچ یہی ہے کہ باہم شیر وشکر ہو کر محبت اور پیار سے رہنا گویا جیتے جی جنت میں داخل ہو جانا ہے۔ ورنہ آئے دن کی سر پھٹول اور ایک دوسرے کی بدخواہی تو انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔

ماضی میں "یؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ" کہ ایسے ایسے روح پرور اور ایمان افروز نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ کہ دل ودماغ پر وجد کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ مسجد نبوی میں اچانک ایک مہمان آجاتا ہے جس کی میزبانی کے لئے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو اشارہ کرتے ہیں۔ جو اُسے گھر لے جاتے ہیں۔ وہاں بیوی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قوت لایموت بھی میسر نہیں۔ صرف قدر قلیل موجود ہے۔ جو بچوں کے واسطے ریزرو ہے۔ اور ایک آدمی کے لئے بمشکل کافی ہے۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر خالی پیٹ سلا دیا جائے اور ان کا کھانا مہمان کو کھلا دیا جائے۔ مگر مشکل یہ آن پڑی کہ مروجہ دستور کے مطابق مہمان کھائے گا نہیں۔ جب تک کہ میزبان میاں

بیوی ساتھ نہ بیٹھیں۔ اس کا حل یہ سوچا کہ چراغ کی روشنی تیز کرنے کے بہانے بیوی بتی گل کر دے گی اور پھر تاریکی میں مہمان کے ساتھ دونو میزبان بیٹھ کر یونہی "مچاکے" مارتے رہیں گے۔ تا مہمان سمجھے کہ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح طرح مہمان نوازی کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ اور مہمان بھی شکم سیر ہو کر کھا لے گا۔

دوسرے روز حسب معمول میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ مسکرائے۔ خدام نے عرض کی۔ کہ حضورؐ کی مسکراہٹ کا موجب کیا ہے۔ تب آپؐ نے یہ سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا۔ کہ ان میزبانوں کے ایثار نفس پر اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے بھی مسکرا دیئے۔ جنہیں دیکھ کر فرطِ مسرت سے مجھے بھی ہنسی آگئی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے میرے خدام کو کیسے کیسے ایثار کی توفیق بخشی ہے ؎

آپ کھاتے نہ تھے اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے ہمدرد تھے محمدؐ کے گھرانے والے

جیسا کہ حالی مرحوم کی ایک تحریر جو مضمون کے شروع میں درج کی گئی۔ بتاتی ہے۔ اور اسی تحریر پر کیا منحصر خود ظاہر وباہر واقعات گواہ ہیں۔ کہ امراء اور غرباء کے مابین جو خلیج حائل ہے۔ وہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ دونو طبقے بڑی تیزی کے ساتھ متحارب صفوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اگر امراء قوم اپنی عظمت وجبروت کے نشہ میں مست اڑوس پڑوس کی ناگفتہ بہ حالت سے قطعی بے خبر اور بے تعلق ہیں۔ تو غرباء ان کی عیاشیاں دیکھ دیکھ کر اژدہوں کی طرح بل کھا رہے ہیں۔ باہمی ہمدردی بردباری اور اُخوت کا جنازہ اُٹھ رہا ہے بھیانک نتائج سامنے ہیں۔ مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

اسلام کے پُربہار عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ عمرؓ کا زمانہ ہے۔ ہر جگہ آپ کی روشن ضمیری و عدل گستری کا دور دورہ ہے۔ تمام ملک امن وامان کا گہوارہ اور حب وحنان کا نمونہ بن رہا ہے نظام سلطنت اور انصاف وآئین جوبن پر ہے پاسبانی کا یہ عالم کہ عموماً بھیس بدل کر راتوں کو دریافت احوال کے لئے گلی کوچوں میں بنفس نفیس گشت لگاتے ہیں۔ احساس تھا کہ یہ احساس نہیں کہ میں ایسا جلیل القدر خلیفہ کیوں پہرہ داری کر رہا ہوں۔ البتہ ہر وقت "سید القوم خادمہم" کا ماٹو پیش نظر ہے۔

ایک رات پھرتے پھراتے ایسی جگہ آ پہنچے۔ جہاں کچھ بچوں کے رونے کی آواز کان میں آئی۔

آپ ٹھٹک کر رہ گئے مگر جب مسلسل گریہ نے بے چین کر دیا۔ تو آپ در آئے تو دیکھا۔ کہ چولہا گرم ہے اور ایک خاتون پاس بیٹھی کچھ پکا رہی ہے۔ بچوں کے رونے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ بھوکے ہیں۔ اور گھر میں کچھ ہے نہیں۔ جو اُن کے منہ میں ڈالا جائے۔ صرف بہلانے کے لئے پانی میں کنکر ڈال کر ہنڈیا چڑھا رکھی ہے۔

ایسی فاقہ مستی دیکھ کر حضرت فاروقؓ کانپ اُٹھے۔ لپک کر بیت المال میں پہنچے اور فوراً جنس اور اس کے لوازمات اپنی پیٹھ پر بار کرنے لگے۔ خادم نے ہر چند چاہا کہ سارا بوجھ اس پر لاد دیا جائے۔ جواب ملا۔ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" میرا بوجھ کوئی دوسرا کیونکر اُٹھائے گا۔ غرض حضرت بہ تن نفیس زیر بار منزل مقصود تک پہنچے۔ اور خاتون سے چاہا کہ تھوڑی دیر تک بچوں کو بہلا پھسلا کر سونے سے باز رکھے اور خود جلدی جلدی کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر بذاتِ خود ان معصوموں کو کھلایا پلایا۔ لطف ومدارات سے پیش آئے۔ آخر جب وہ کھیلتے کھیلتے بے فکری کی نیند سو گئے تو آپ نے اطمینان کا سانس لیا اور گھر واپس لوٹے۔

اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر آپ حسب معمول گشت لگا رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک شیر خوار بچے کو بلکتے دیکھا۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کی غریب ماں نے بہت ہی قبل از وقت صرف اس لئے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے۔ تا اسلام کے خزانۂ عامرہ سے اس کے نام پر بھی وظیفہ جاری ہوسکے۔ کیونکہ وقتی قانون کے مطابق شیر خوار بچوں کے لئے وظیفہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔

اس واقعہ سے حضرت عمرؓ لرز گئے اور دل میں کہا۔ وائے عمر! تو نے یہ آئین مقرر کر کے نہ جانے مسلمانوں کی آئندہ نسل کو کتنا کمزور کر دیا ہے۔ خدا جانے کتنی غریب ماؤں نے سرکاری وظیفہ کی بہم رسانی کے لئے اپنے بچوں کا قبل از وقت دودھ چھڑا دیا ہوگا۔ آخر تلافیٔ مافات کے واسطے آپ نے فوراً یہ ہدایت جاری کر دی۔ کہ پیدا ہوتے ہی ہر بچہ بیت المال سے خاطر خواہ وظیفہ کا حقدار ہوگا۔

یہ احساس ذمہ داری، ہمدردی بنی نوع، خدمت خلق اور جانکاہی کس قدر روح افزا، مسرت انگیز اور بصیرت افروز ہے۔ اسی کا صدقہ ہے کہ ماضی بعید میں تمام مسلمان باہم یک جان اور شیر وشکر تھے۔ حکم ربانی "لا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم" ہمیشہ ان کے مدنظر رہتا تھا

[1] کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔
[2] جھگڑا آپس کا ترک کر دو ورنہ تم لغزش کھا جاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائیگی یعنی تمہارا رعب جاتا رہے گا
[3] قوم کا سردار وہی ہوسکتا ہے جو اُنکا سچا خادم ہو۔
[4] اپنی تنگیٔ عیش کے باوجود دوسروں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں۔

چھتیس سال قادیان میں

از مکرم خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ "الفضل"

(۸)

حضرت مرزا محمود بیگ صاحب کے قادیان میں تشریف لانے کی اطلاع جب والدہ صاحبہ کو ہوئی۔ اور یہ کہ لڑکی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے گھر آگئی ہے۔ تو آپ چند عورتوں کو ساتھ لے کر وہاں گئیں۔ کہ لڑکی کو اپنے پاس لے آئیں۔ لیکن خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ نے آپ کو بتایا کہ جب تک لڑکا نہ آجائے۔ رخصتانہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لاہور سے آنے پر رخصتانہ ہوگا۔ اور جس دن میں لاہور سے واپس آیا۔ والدہ صاحبہ اسی دن پھر چلی گئیں۔ اور رخصتانہ کرا لائیں۔ حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ حرم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ تو میری اہلیہ کی ہم عمر اور ساتھ کھیلی سہیلی تھیں۔ دیگر خواتین مبارکہ نے بھی اس موقعہ پر ایسا بہترین سلوک کیا۔ کہ والدہ صاحبہ حیران رہ گئیں۔ دوسرے تیسرے روز جب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کو اطلاع ہوئی۔ تو حضور نے مجھے لکھا۔ کہ میری اطلاع کے بغیر عورتوں نے لڑکی کو رخصت کر دیا۔ میرا ارادہ خود انتظام کرنے اور کچھ امداد دینے کا تھا نیز دعا فرمائی اور ضروری اخراجات کے لئے ایک رقم عنایت کی۔

والدہ صاحبہ کچھ عرصہ قادیان رہنے کے بعد واپس چلی گئیں۔ ہم کچھ عرصہ حضرت مرزا محمد اشرف صاحب کے مکان میں رہے۔ پھر ایک مکان کرایہ پر لے لیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک ایسا مکان مل گیا جس میں "الفضل" کا پریس تھا۔ اس کے اوپر کا حصہ میں نے اپنی رہائش کے لئے درست کرا لیا۔ گو یہ مکان خام اور بہت بوسیدہ تھا اس میں ہمیں کئی خطرات بھی پیش آئے۔ جن سے ہم خدا کے فضل سے محفوظ رہے۔ اور ہم اس وقت تک اس میں رہے۔ جب تک خدا تعالےٰ نے اپنا ذاتی وسیع اور شاندار مکان نہ عنایت فرما دیا۔ ایک دفعہ اس مکان کے بالاخانہ کی چھت نچلی چھت پر آگری۔ اور اس چھت کو بھی ساتھ لے کر زمین پر آرہی۔ مگر ہم بالکل خشک تھا۔ خدا تعالےٰ کا فضل یہ ہوا۔ کہ ہم چھت کے گرنے سے صرف ایک دن پہلے وطن روانہ ہو چکے تھے۔ اور اسباب جس کوٹھڑی میں تھا۔ وہ بالکل محفوظ رہی۔ کئی بار سانپ نکلے۔ اور مار دیئے گئے۔

شادی کے ابتدائی ایام میں ہی جبکہ ہم ابھی حضرت مرزا محمد اشرف صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ حضرت مرزا محمود بیگ قادیان آئے ان دنوں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے بعض اصحاب کو مکان بنانے کے لئے اس ڈھاب میں بھرتی ڈالنے کی اجازت فرما چکے تھے۔ جو مقبرہ بہشتی کو جانے والی سڑک کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ مرزا صاحب نے حضور سے کہہ کر مجھے بھی ایک نہایت موزوں جگہ بھرتی ڈلوانے کے لئے لے دی۔ اور میں نے بھرتی ڈلوانی شروع کر دی۔ اس وقت مجھے کھلی اجازت تھی۔ کہ جتنی زمین پر چاہوں قبضہ کر لوں لیکن میں نے اپنی کوتاہ اندیشی اور کم مائیگی کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ اگر کوئی اور میرے ساتھ کی زمین پر بھرتی ڈال لے گا۔ تو میرا ایک پہلو محفوظ ہو جائے گا۔ صرف تیس فٹ سڑک کی طرف چوڑی زمین رکھ کر باقی ان اصحاب کو دیدی۔ جنہوں نے مجھ سے طلب کی۔ بھرتی تو میں نے مکان بنانے کے قابل ڈلوا لی۔ لیکن چونکہ وہاں مکان بنانا نہایت اخراجات چاہتا تھا۔ جو میرے پاس نہ تھے۔ اس لئے میرے لئے وہاں مکان بنوانا مشکل تھا۔ اور جب ایک جلسہ سالانہ کے ایام میں ایک نہایت مخلص اور معزز احمدی بابو محمد یوسف صاحب شملوی بانی ... غالباً بھری ہوئی ڈھاب میں گر کر شہید ہو گئے۔ تو میں نے وہاں مکان بنانے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا بابو صاحب مرحوم جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا امیر پاکستان مغربی کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے۔ وہ اپنے وطن جالندھر کے ایک شخص کے ہاں مع اپنے دوسرے احباب جلسہ سالانہ کے ایام میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مکان ڈھاب کے کنارے تھا۔ اور اس کی ایک طاقی پانی کی طرف کھلتی تھی۔ اور پانی دیوار کے بالکل قریب تک تھا۔ رات کو کسی وقت پیشاب کے لئے جو اٹھے۔ تو طاقی سے ڈھاب کی طرف نکلے۔ اندھیرے میں پاؤں جو رپٹا۔ تو پانی میں گر گئے۔ اور نکل نہ سکے۔ دسمبر کا مہینہ اور سخت سردی کا موسم تھا۔ دوسرے اصحاب کو خبر نہ ہوئی۔ صبح کو وہ اپنے بستر میں نہ پائے گئے۔ اور تلاش پر ان کی لاش ڈھاب سے دستیاب ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات کی خبر نہایت ہی رنج اور افسوس کے ساتھ سنی گئی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے جلسہ میں جب تقریر شروع فرمائی۔ تو سب سے پہلے نہایت دردناک الفاظ میں ان کی وفات کے حادثہ کا ذکر فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ بابو صاحب کی وفات کا مجھے اس قدر صدمہ ہوا ہے۔ کہ اگر کوئی میرا بیٹا بھی فوت ہو جاتا۔ تو اتنا صدمہ نہ ہوتا۔ کیونکہ بابو صاحب نہایت مخلص اور سلسلہ کی بڑی خدمت کرنے والے تھے۔ اور میرے بیٹے ابھی سب چھوٹے ہیں۔

میرے لئے یہ ایک وجہ اپنا مکان بنانے کی کوئی جد وجہد نہ کرنے کی یہ بھی ہوئی۔ اور شادی کے بعد کئی سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی اور میں نے ارادہ کر لیا۔ کہ اگر یہی صورت رہی تو اپنا مکان بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح زندگی بسر کریں گے۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے مجھے نہ کوئی ایسا احساس نہ تھا لیکن میری اہلیہ کو بہت صدمہ تھا۔ میں انہیں تسلی دیتا۔ اور خاص کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد سنایا کرتا جو میں نے "الحکم" کے کسی پرچہ میں بطور ڈائری پڑھا تھا۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ بہت لوگ اولاد کی بڑی خواہش کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے بڑی بے تابی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر اپنی حالت پر نظر نہیں کرتے۔ کہ وہ کیسی ہے۔ اگر وہ خود خدا تعالےٰ کے احکام پر نہیں چلتے۔ اور اس کی مخلوق کی خدمت نہیں کرتے۔ تو اپنے جیسی اولاد کے پیدا ہونے کی خواہش رکھنے کا کیا فائدہ۔ پھر خدا تعالےٰ جسے چاہتا ہے اولاد دیتا ہے۔ اگر وہ کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ کہ اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اس پر ڈالے۔ تو اسے کڑھنے اور غم کھانے کی کیا ضرورت ہے۔

اس میں کیا شک ہے۔ کہ اولاد اچھی نعمت ہے۔ بشرطیکہ سعید ہو۔ میری اہلیہ اولاد کا صدمہ کم کرنے کیلئے کوشش کرتیں۔ کہ کسی کا بچہ پرورش کے لئے مل جائے۔ چنانچہ میری ہمشیرہ کی یتیم بچی کی پرورش کے لئے انہوں نے بڑی کوشش کی۔ مگر کچھ عرصہ بعد لڑکی کے وارث لے گئے۔ پھر انہوں نے میری دوسری ہمشیرہ کے لڑکے کو کہ وہ یتیم تھا۔ چھوٹی سی عمر سے اپنے پاس رکھ کر بچوں کی طرح پالا۔ بڑھایا۔ ... مگر بڑا ہو کر نااہل ثابت ہوا۔

اسی سلسلہ میں اہلیہ نے یہ بھی کوشش کی۔ کہ میں دوسری شادی کر لوں۔ والدہ صاحبہ کا بھی یہی خیال تھا۔ رشتہ ملنا بھی کوئی مشکل نہ تھا۔ اہلیہ نے کئی رشتے ... مگر میں قطعاً آمادہ نہ ہوا۔ یہ کہتے ہوئے کہ اگر دوسری شادی سے بھی اولاد نہ ہوئی تو پھر۔ خدا کے فضل سے زندگی کے دن نہایت اطمینان اور سکینت سے گذرتے۔ باوجود گھر میں کسی بزرگ کے نہ ہونے کے اور باوجود اوائل عمر کے اہلیہ نے گھر کے انتظام میں نہایت سلیقہ شعاری کا ثبوت دیا۔ اور میرے ساتھ اخلاص اور اطاعت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا۔ کہ ہماری اپنی زندگی کی بنیاد روز بروز استوار رہتی گئی۔ اور دوسری طرف بزرگ کی برکات ... ہم پر نازل ہوتی گئیں۔ اور میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ کوئی خواہش ایسی نہ رہی جسے خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے پورا نہ کر دیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی یہ ہم پر خاص نوازش تھی۔ کہ اتنی شدید مصروفیات کے باوجود ہماری خانگی زندگی کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ اور ازراہ شفقت و نوازش اہلیہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ کہ کوئی تکلیف ہو تو بتاؤ۔ ان دنوں خدا تعالےٰ کا ایسا فضل تھا۔ کہ کبھی کوئی ایسی تکلیف پیش ہی نہ آئی کہ حضور تک پہنچائی جاتی۔ اور اگر کبھی میری طرف سے اہلیہ کو کوئی تکلیف بھی پہنچی۔ تو بھی انہوں نے کبھی حضور سے عرض نہ کیا۔ اور ہمیشہ یہی کہا کہ حضور کی نوازش سے کوئی تکلیف نہیں۔ ایک دفعہ ایک عورت نے میری اہلیہ کا کچھ زیور لے لیا۔ اور دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں مجبور کیا۔ کہ حضور کے پاس عرض کریں۔ اور زیور لے کر آئیں۔ انہوں نے جا کر عرض کیا۔ حضور نے فرمایا۔ تم گھر میں بیٹھو۔ میں پتہ کراتا ہوں۔ اہلیہ اپنے گھر آگئیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد زیور گھر پہنچ گیا۔ اس کے بعد جو اہلیہ حضرت اقدس کے گھر گئیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ اس دن تم اپنے گھر کیوں چلی گئی تھیں میں نے تو امۃ الحی کے پاس بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں فلاں کو بلا کر کچھ تنبیہ کرتا۔ اہلیہ نے بتایا۔ میں نے بھی سمجھا تو یہی تھا۔ لیکن خیال کیا۔ کہ الفاظ میں اتنی گنجائش ہے کہ میں اپنے گھر چلی جاؤں۔ اس لئے گھر آگئی۔

میری اہلیہ اپنی مامی صاحبہ اہلیہ مرزا محمود بیگ صاحب کے ہمراہ بچپن میں قادیان رہ چکی تھیں

انہوں نے ہی ان کی پرورش کی تھی۔ ان کی والدہ صاحبہ بچپن میں ہی فوت ہو چکی تھیں۔ نانی صاحبہ نے حقیقی والدہ کی طرح پالا پوسا۔ اور ساری عمر اپنی اولاد کی طرح سلوک کرتی رہیں۔ آپ نہایت مخلص۔ دیندار اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ اپنی سلیقہ شعاری اور خدمت گذاری کی وجہ سے دار مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ میں انہیں رہائش کی سعادت نصیب رہی۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ پر خاص شفقت فرماتیں۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری خواتین مبارکہ سے بھی آپ کو مخلصانہ محبت تھی۔ خاص کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی بیگم صاحبہ آپ پر بہت مہربان تھیں۔ اور دلات میں میری اہلیہ صاحبہ کے لئے بھی یہ مقدس خاندان نیا نہ تھا۔ نکاح کے بعد ان کو وہیں لاکر رکھا گیا۔ اور وہیں سے ان کا رخصتانہ ہوا۔ جس کی ساری تیاری اور خرچ اس خاندان کی خواتین نے کیا۔ اس کے بعد بھی ہر موقع پر حسن سلوک اور ذرہ نوازی ہمیشہ فرماتی رہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ امۃ الحی صاحبہ جن کا عقد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے ہو چکا تھا میری اہلیہ کی ہم عمر تھیں۔ اور بچپن میں سالہا کھیلی تھیں۔ اس لئے ان سے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کے درجات بے حد بلند کرے۔ انہوں نے اتنے بلند مرتبہ پر ہونے کے باوجود میری اہلیہ سے ہمیشہ غیر معمولی حسن سلوک روا رکھا۔ اور جب تک زندہ رہیں۔ نوازشات میں اضافہ فرماتی رہیں۔ نہ صرف اہلیہ پر بلکہ مجھ پر بھی۔ میں صبح سویرے دفتر آجاتا۔ آپ میری اہلیہ کو اپنی خدمت میں بلا لیتیں۔ انہیں خود تو سیدہ مرحومہ کے ہاں کھانے پینے میں کوئی تکلف تھا ہی نہیں۔ میرے لئے بھی بعض اوقات ان کے ارشاد پر کھانا بھیج دیتیں۔ اور ذرہ نوازی کی انتہا یہ تھی۔ کہ بعض اوقات ہمارے ٹوٹے پھوٹے ڈربہ نما مکان میں تشریف لے آتیں۔ ان کی یہ نوازشات تو اپنی ایک ہم سن خادمہ پر تھیں۔ لیکن حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حرم اول حضرت ام ناصر بھی ہمیشہ میری اہلیہ کو اپنی نوازشات سے نوازتے رہے۔ اور کئی مشکلات کے وقت جو آخری عمر میں لاحق ہو گئیں ہماری بڑی امداد فرمائی۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ دیگر خواتین مبارکہ نے بھی ہمیشہ میری اہلیہ کو محبت اور شفقت کی نظر سے دیکھا۔ لیکن جب تک میری اہلیہ کو بچوں کی پرورش کی مصروفیتوں اور صحت کی کمزوری نے معذور نہ کر دیا۔ ان کا زیادہ تر وقت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ہی گذرتا۔ اگر کسی دن نہ جا سکتیں۔ تو بلا لیا جاتا۔

ان نوازشات کے نتیجہ میں میرے اخبار نویسی کے کام میں بہت آسانی اور سہولت حاصل ہوئی۔ مجھے اہلیہ کے ذریعہ نہ صرف خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ضروری اطلاعات صحیح طور پر مل جاتیں۔ اور میں انہیں جلد سے جلد درج اخبار شائع کر سکتا۔ بلکہ اہم اور ضروری مضامین کی اشاعت کی منظوری اور ان کی تصحیح بھی ان کو بھیج کر کرا سکتا تھا۔

ان ایام میں جبکہ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت مضامین لکھنے کی کوشش کرتا اور مبلغین کی جماعت میں پڑھتا تھا۔ "الفضل" کی ایڈیٹری پر کوئی صاحب مستقل طور پر مقرر نہ تھے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی خلافت سے قبل الفضل کے بانی اور ایڈیٹر تھے۔ آپ کے بعد الفضل پر بطور ایڈیٹر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نام لکھا جانے لگا۔ مگر آپ کی مصروفیات اس قدر وسیع اور اتنی توجہ طلب تھیں۔ کہ آپ الفضل کے لئے مستقل طور پر وقت نہ دے سکتے تھے اور عملی طور پر قاضی اکمل صاحب کام کرتے تھے۔ ان کے سپرد بھی کئی اور کام تھے۔ اس لئے کسی مستقل ایڈیٹر کی تلاش تھی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ الفضل کا سارا خرچ خود برداشت کرتے تھے۔ جو الفضل کے ہفتہ میں دو بار بلکہ بعض اوقات سہ بار نکلنے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ اور الفضل کے انتظامی امور میں بھی راہ نمائی فرماتے تھے۔ ایک دن آپ نے مجھے فرمایا۔ ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی کو جو دہلی میں رہتے تھے لکھو۔ کہ اگر الفضل کی ایڈیٹری کے لئے وہ آسکیں۔ تو آجائیں۔ ماسٹر صاحب موصوف پرانے مخلص احمدی تھے۔ کئی اخبارات میں کام کر چکے تھے۔ پیغام صلح جب لاہور سے جاری ہوا۔ تو اس کے پہلے ایڈیٹر آپ ہی مقرر ہوئے تھے۔ لیکن پیغام صلح کے ڈائرکٹرز جس ڈھب پر ان کو چلانا چاہتے تھے۔ اس پر چلنا انہوں نے پسند نہ کیا۔ اور کچھ عرصہ بعد استعفاء دے کر چلے گئے۔ دہلی میں اس وقت کتابوں کی دوکان کرتے تھے۔ ماسٹر صاحب موصوف الفضل کی ایڈیٹری کے لئے آتو گئے۔ لیکن کمزور اور نحیف تھے۔ صحت بھی اچھی نہ تھی۔ اس لئے خلافت ثانیہ کے ابتداء میں ایڈیٹر کو جس قدر دوڑ دھوپ کرنا پڑتی تھی۔ اسے برداشت نہ کر سکے۔ اور چند ہی ماہ بعد انہیں فارغ کر دیا گیا۔ وہ پھر تا حیات یہیں رہ گئے۔ چھوٹی سی کتابوں کی دوکان کھول لی۔ کچھ عرصہ بعد بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایڈیٹری کا کام پھر مکرم قاضی اکمل صاحب کے سپرد ہوا۔ جو چند نو آموز نوجوانوں سے کام کراتے۔ حضرت امیر المومنین کا یہی ارشاد تھا۔

ان ایام میں کچھ دنوں کے لئے اخبار بند ہو گیا۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت کسی صاحب نے حضور سے عرض کیا۔ کہ اخبار کئی دن سے شائع نہیں ہوا۔ کیا وجہ ہے۔ حضور نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے سمجھا تھا۔ مجھے اخبار نہیں مل رہا۔ یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ شائع ہی نہیں ہو رہا۔ اور فرمایا۔ الفضل کا کوئی آدمی ہے میں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ تو پوچھا۔ اخبار کیوں شائع نہیں ہو رہا۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے تو معلوم نہیں۔ قاضی صاحب کو وجہ معلوم ہو گی۔ فرمایا۔ جاؤ ان سے پوچھ کر مجھے بتاؤ۔ میں گیا۔ اور سارا واقعہ قاضی صاحب سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ فصل کی کٹائی کے دن ہیں۔ اسلئے باوجود کوشش کے پریس کی مشین چلانے کے لئے آدمی نہیں ملتے۔ ایک دو روز تک امید ہے۔ انتظام ہو جائے گا۔ اس وقت پریس کی مشین انجن سے نہیں چلتی تھی۔ بلکہ آدمی چلاتے تھے۔ پھر خدا کے فضل سے انجن سے چلنے لگی۔ پھر بجلی سے اور ایک کی بجائے دو مشینیں خرید لی گئیں۔

میں نے آکر حضور سے عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا۔ تم خود انتظام کرو۔ اور کل اخبار شائع ہو جائے۔ خواہ ایک ہی ورق نہ نکلے۔ جو کچھ خود لکھ سکتے ہو لکھو۔ دوسرے دوستوں سے لکھاؤ۔ مجھ سے بھی مضمون لے لیا کرو۔ میں نے قاضی صاحب سے حضور کا یہ ارشاد بیان کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک پرچہ ایڈٹ کیا۔ اور پھر یہ ذمہ داری مجھ پر عائد کر دی گئی۔

جناب قاضی صاحب نے اس آخری پرچہ میں اپنی سبکدوشی کے متعلق ایک چھوٹا سا نوٹ لکھا۔ جس کے الفاظ اس رنگ میں تھے۔ کہ میں اس پرچہ سے الفضل کے متعلق اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ آئندہ اخبار جن مقدس ہاتھوں میں جا رہا ہے۔ امید ہے۔ وہ احباب کے لئے زیادہ دلچسپی کا سامان مہیا کریں گے۔

خدا کے فضل سے یہ الفاظ میرے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ اس وقت اخبار پر بطور ایڈیٹر کسی کا نام نہ لکھا جاتا تھا کیونکہ اس وقت سرکاری طور پر یہ پابندی نہ تھی۔ اور کوئی مستقل ایڈیٹر نہ ہونے کی وجہ سے بار بار کی تبدیلی اخبار کے لئے مضر ہو سکتی تھی) جماعت میں سمجھا گیا۔ کہ اب سلسلہ کے کوئی بزرگ اس کام پر مقرر ہوئے ہیں۔ مقامی طور پر بھی کسی کو یہ خیال نہ آسکتا تھا۔ کہ میرے سپرد یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ اور میں یہ کام کرنے کا اہل سمجھا جا سکتا ہوں۔ میں نے خود بھی اپنی اوقات پر نظر کرتے ہوئے یہی ضروری سمجھا۔ کہ کسی پر یہ بات ظاہر نہ ہو۔ اور اسے خفیہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ادھر خدا تعالیٰ نے کچھ ایسے سامان کر دیئے۔ کہ اخبار کے لئے اعلیٰ پایہ کے مضامین مہیا ہونے لگے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات بذات خود مضمون رقم فرما کر عنایت کرتے۔ جو حضور کے نام کے بغیر شائع کئے جاتے۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ہر پرچہ کے لئے مضمون لکھ کر دیا کریں۔ مکرم محترم مولوی فضل دین صاحب وکیل کو ایک خاص سلسلہ مضمون لکھنے پر مقرر فرمایا۔ جو مولوی محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق تھا جنہیں انہی ایام میں مسئلہ خلافت کے متعلق ٹھوکر لگی تھی۔ اور غیر مبائعین ان کے متعلق بڑا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ پھر مولوی صاحب موصوف مجھے مضامین لکھنے اور میرے مضامین کی اصلاح کرنے اور ضروری معلومات مہیا کر کے دینے میں میری بہت مدد فرماتے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت بھی میرے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ کہ کوئی مضمون لکھنے سے قبل اسکے متعلق ضروری معلومات علماء سے پوچھ کر فراہم کر لیا کرو۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ جس صاحب سے بھی میں نے پوچھا اور کسی قسم کی امداد چاہی۔ انہوں نے بڑی محبت اور فراخدلی سے امداد فرمائی۔ اسطرح مضمون لکھنے اور اہل قلم احباب سے مضامین لکھوانے میں میں نے دن رات ایک کر دی۔ کئی کئی پرچوں کے مضامین پہلے سے تیار رکھتا۔ ان اسباب اور حالات کی وجہ سے اخبار میں نمایاں تغیر آگیا۔ اور مقبولیت بڑھنے لگی۔ انہی ایام کا ایک لطیفہ قابل ذکر ہے کچھ عرصہ تک تو حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم اخبار کے ہر پرچہ کیلئے اپنا قیمتی مضمون دیتے رہے۔ مگر انکے سپرد اور بھی کئی کام تھے۔ علاوہ ازیں بہت سوچ سوچ کر لکھتے۔ اور کانٹ چھانٹ بہت کرتے اسوجہ سے انکا مضمون حاصل کرنے میں وقت پیش آنے لگی۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی ڈاک کا کام بھی ان کے ذمہ تھا۔ ایک دن جبکہ مضمون کیلئے وقت بہت تنگ ہو رہا تھا۔ میں نے ان کا مضمون حاصل کرنے کیلئے یہ تجویز کی۔ کہ حضور کی طرف ایک رقعہ لکھا۔ اس سے میری غرض یہ تھی۔ کہ میں رقعہ مولوی صاحب کو دکھاؤں گا۔ اور اس طرح مضمون حاصل کر لوں گا۔ چنانچہ میں نے وہ رقعہ مولوی صاحب کو دکھایا۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر مجھ سے لے لیا۔ کہ میں یہ حضور کو دے دوں۔ آپ تھوڑی دیر تک مضمون بھیجتے ہیں۔ مضمون تو تھوڑی دیر بعد مجھے پہنچ گیا۔ لیکن حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرا رقعہ بھی میرے پاس آگیا۔ (باقی صفحہ کالم نمبر پر ملاحظہ ہو)

چوہدری محمد عبد اللہ صاحب مرحوم رضؓ لائلپوری درویش قادیان

ازحضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی قادیان

چوہدری محمد عبد اللہ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ جن کی وفات قادیان میں مورخہ ۲۶/۸/۵۲ پونے چھ بجے بعد دوپہر ہوئی کے مختصر حالات جو بیان سے معلوم ہو سکے ہیں۔ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

آپ کی پیدائش ۱۸۷۰ء کے قریب چوہدری علی گوہر صاحب کے ہاں ان کے آبائی وطن موضع دھنی دیو ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ آپ ذات کے لحاظ سے دیو تھے۔ ان کا نام ان کے والدین نے بھاگ دین رکھا۔ جو بعد میں آپ نے حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم رضؓ کی تحریک اور تجویز پر تبدیل کر کے عبد اللہ کر لیا۔

۱۹۰۰ء کے قریب آپ اپنے والدین کے ساتھ چک نمبر ۳۳۲ ضلع لائلپور میں جہاں ان کے والدین کو زمین ملی تھی چلے گئے۔ اسکے بعد سے ابتک ان کے خاندان کا بیشتر حصہ اسی جگہ مقیم ہے۔

چوہدری صاحب کی صحت شروع سے ہی اچھی تھی اور جوانی میں انہوں نے اچھی اچھی ورزشیں مثلاً سہاگہ اٹھانا، کڑاہ پھیرنا، موگریاں پھیرنا اور مگدر اٹھانا اور کئی کئی میل دوڑنا کی تھیں اور بڑھاپے میں جبکہ ان کی عمر ستر سال سے تجاوز کر گئی تھی ان کی صحت اکثر بوڑھوں سے اچھی تھی۔ چنانچہ اس بڑھاپے کی عمر میں اڑھائی من کی بوری وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی لے جاتے۔ قادیان کا موجودہ زائد از چار سال کا عرصہ انہوں نے سوائے چند بار کی معمولی علالت کے بفضلہ باصحت گذارا۔

آپ کے والد تو احمدی نہ ہو سکے۔ آپ کے خاندان میں پہلے احمدی ان کے چھوٹے بھائی مکرم مولوی تاج دین صاحب فاضل لائلپوری ہیں۔ جو آجکل بطور ناظم قضا ربوہ ہیں۔ جو بچپن میں ہی احمدی ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی چوہدری نواب دین صاحب حال چک نمبر ۳۳۲ لائلپور نے بیعت کی۔ اور ۱۹۱۸ء میں چوہدری صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ ان کے خاندان کے احمدی ہونے کے بعد ان کی برادری والوں نے جن میں ایک ذیلدار بھی تھے کئی رنگوں میں کئی دفعہ مخالفت کی۔ لیکن خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ان کا خاندان ہمیشہ ہر رنگ میں محفوظ رہا۔ اللہ تعالےٰ آئندہ بھی محفوظ و مامون رکھے آمین

آپ ۱۱ مئی ۱۹۴۸ء کو اس نیت سے قادیان آئے کہ دوبارہ آبادی قادیان تک یہاں رہینگے خواہ زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے اس عہد کو پورا کر دیا۔ جبکہ آپ کی روح ۲۶/۸/۵۲ کو قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور آپ کو بہشتی مقبرہ کے درویشان والے قطعہ میں رات دس بجے کے قریب دفن کر دیا گیا۔

چوہدری عبد اللہ صاحب مرحوم کی اولاد میں سے اسوقت ایک لڑکا (محمد ابراہیم صاحب رشید) اور چار لڑکیاں زندہ ہیں۔ پانچوں ہی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ ان کے علاوہ چوہدری صاحب موصوف کے چار لڑکے فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کے تین چھوٹے بھائی بھی بفضلہ زندہ ہیں۔ ایک چوہدری نواب دین صاحب، چوہدری الہ بخش صاحب اور تیسرے مکرم مولوی تاج دین صاحب۔ اول الذکر دونوں بھائی چک نمبر ۳۳۲ ضلع لائلپور میں رہائش پذیر ہیں۔ اور مولوی تاج دین صاحب فاضل ربوہ بود و باش رکھتے ہیں۔

میں نے ان کو عرصہ قریباً پانچ سال میں اچھی طرح دیکھا ہے۔ ان کے اعمال و اخلاق و اطوار کا جو اثر میں نے اخذ کیا اس کا بھی مختصراً تذکرہ کر دینا مناسب ہے۔ آپکے دل میں احمدیت کی محبت اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ احمدیت کے خلاف کوئی بات سن کر برداشت نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ بات کرنیوالے کو جواب دیکر خاموش کر دیتے۔ لیکن اپنی ذات کے متعلق ہر بات برداشت کر کے اکثر درگزر ہی سے کام لیتے۔ اور مناسب رنگ میں مخاطب کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔

سلسلہ کے کاموں میں ہمیشہ جوانمردوں کا سا نمونہ دکھلاتے اور جوانوں کے برابر کام کرتے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ریتی چھلہ سے لنگر خانہ کے لئے ایندھن خریدا گیا اور سب درویش نماز عصر کے بعد اسکو لانے کیلئے گئے۔ ایندھن میں ایک لکڑی جو ٹیڑھی سی تھی جس کو کسی درویش نے نہ اٹھایا (باقی لکڑیاں دوست اٹھا کر لے گئے) باقی رہ گئی۔ چوہدری عبد اللہ صاحب مرحوم نے جب دیکھا کہ اسکو کوئی نہیں اٹھاتا تو دوستوں کو کہا کہ اسکو میرے سر پر رکھ دو۔ چنانچہ وہ اسکو اٹھا کر لنگر خانہ لے آئے اسی طرح ہر سال برائے کسیر ماہ دسمبر میں جلسہ سالانہ سے قبل ہمارے ساتھ جاتے۔ وہاں کسیر کاٹتے اٹھاتے اور لاتے میں دوسروں کے ساتھ ساتھ برابر کام کرتے رہتے۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں ایک دفعہ گندم کی کئی بوریاں [illegible] اٹھ[illegible] دوسری جگہ منتقل کیں۔ جن میں ہر ایک کا وزن اڑہائی اڑہائی و پونے تین تین من پختہ تھا۔

آپ کو احکام شریعت اور سنت رسول صلعم کا بہت پاس تھا۔ اس کی پابندی خود کرتے۔ اور دوسروں سے اپنے عملی نمونہ سے کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ جب وہ کہیں سے گذرتے یا مسجد میں جاتے یا واپس آتے یا کسی مجلس میں جاتے یا واپس آتے تو بلند آواز سے السلام علیکم کہتے۔ کثرت سے السلام علیکم کہنے کی وجہ سے وہ اسی نام سے معروف ہو گئے۔ اور اکثر دوست ان کو "بابا السلام علیکم" کہتے اور وہ بھی اس کا برا نہ مناتے۔

آپ بہت صاف گو تھے، بات کو چھپا کر نہ رکھتے تھے بلکہ جرأت سے دوسرے کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔ اور دوسرے کو اس کی غلطی کی طرف توجہ دلا دیتے تھے۔ گویا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ اگر کوئی بری بات دیکھو تو اس کو ہاتھ یا زبان سے روکو یا کم از کم دل سے برا مانو پر حتی الوسع پورے طور پر عامل تھے۔

چوہدری صاحب کو اپنی عادات پر کافی حد تک کنٹرول تھا جس کی وجہ سے انہوں نے حقہ نوشی کی بری عادت کو بڑھاپے میں ترک کر دیا اور ترک کرنے کے بعد کبھی حقہ نہ پیا۔

غیر مناسب رسومات اور کاموں کی اصلاح کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک مسجد مبارک میں رومالوں وغیرہ سے جگہ معین کرنے والوں کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ آپ اس طریق کو غلط بتلاتے ہوئے کہتے جو مسجد میں پہلے آئے اس کی جہاں مرضی ہو بیٹھے۔ چنانچہ مسئلہ کے طور پر ٹھیک بھی اسی طرح ہے۔

نماز تہجد کے عادی تھے۔ تہجد کے لئے قریباً سب درویشوں سے پہلے اٹھتے۔ اور مسجد مبارک میں آکر مسجد کے ہر حصہ میں نوافل ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کے سب سے پہلے آنے پر بعض دوسرے دوست جو مسجد میں سوئے ہوتے بعض دفعہ شاکی ہوتے کہ بابا جی آدھی رات کو آکر روشنی جلاتے ہیں۔

نماز باجماعت کا خاص خیال رکھتے نماز کے وقت سے کچھ دیر پہلے ہی مسجد میں آجاتے تھے۔ اور مسجد میں ذکر الٰہی کرتے یا کسی دوست سے متفرق مسائل کے متعلق بات چیت اذان تک کرتے۔ جب اذان کا وقت ہو جاتا اور مؤذن کسی وجہ سے وہاں موجود نہ ہوتا تو خود اذان دے دیتے۔ ان کی آواز کافی اونچی تھی۔ نماز حتی الوسع باجماعت ہی ادا کرتے اور معمولی بیماری کی پرواہ نہ کرتے۔

چوہدری صاحب کو تبلیغ حق کا بہت شوق تھا۔ باغ کی طرف یا بعض دفعہ دوسرے قریبی دیہات کی طرف چلے جاتے اور غیر مسلموں کو جو اُن کو ملتے تبلیغ کرتے رہتے۔ اور تبلیغ کی وجہ سے ان کی واقفیت کافی وسیع تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ زائرین میں ڈیرہ بابا نانک کے ایک جنٹ صاحب آئے۔ جو ہم سب سے ناآشنا تھے۔ جنٹ صاحب نے ہم سب میں سے چوہدری صاحب موصوف کو پہچان لیا۔ کیونکہ کافی عرصہ پہلے چوہدری صاحب نے انہیں تبلیغ کی تھی۔

چوہدری صاحب باوجود ان پڑھ ہونیکے بعض علم والوں سے [illegible] مسائل زیادہ جانتے تھے۔ اسلام کے اکثر مسائل سے واقف تھے۔ ان کو مزید معلومات حاصل کرنے کا کافی شوق تھا۔ چنانچہ اخبار (الفضل) بدر وغیرہ پڑھوا کر سن لیتے اور ذہن نشین کرتے جاتے اور ان میں مذکورہ احکام پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے۔ قریباً ایک سال سے باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے انہیں تعلیم حاصل کرنے کی طرف بہت زیادہ توجہ ہو گئی تھی۔ قاعدہ یسرنا القرآن اور اردو کا قاعدہ سبقاً سبقاً پڑھنے کے علاوہ تختی پر لکھنا بھی سیکھتے تھے۔ چنانچہ اپنا اور اپنے بھائیوں کا نام لکھنا سیکھ چکے تھے۔

چندوں کی ادائیگی میں پیش پیش رہتے تھے۔ اور اپنے ذمہ کوئی چندہ بقایا نہ رہنے دیتے۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے کہ جس طرح نماز روزہ فرائض میں سے ہے۔ اسی طرح چندہ کی ادائیگی بھی واجب ہے۔ اور بقایا دار عند اللہ قابل مواخذہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے ذمہ اپنے گاؤں کے بجٹ کے حساب سے کچھ بقایا رہ گیا تھا۔ جس کی ادائیگی ان کے قادیان آنے کی وجہ سے نہ ہو سکی۔ اس بقایا کیوجہ سے ان کو بہت تکلیف تھی۔ چنانچہ انہوں نے نظارت بیت المال ربوہ کو کئی دفعہ لکھا کہ وہ چونکہ قادیان میں ہیں اور چندہ ادا نہیں کر سکتے۔ جن کے پاس جائیداد ہے وہ ہی ادا کر سکتے ہیں اور ادا کرتے ہیں۔ سو ان سے مطالبہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ نظارت بیت المال ربوہ نے بعد تحقیق ان کا بقایا صاف کر دیا جس کی ان کو بہت خوشی ہوئی۔ چندہ تحریک جدید انہوں نے اپنی طرف سے اور اپنی [illegible] مرحومہ کی طرف سے بیسویں سال تک ادا کر دیا ہوا تھا۔ بعض اوقات وہ قرض لے کر چندہ ادا کر دیتے اور پھر قرض اپنے قلیل وظیفہ سے آہستہ آہستہ ادا کرتے رہتے۔

فرائض کی ادائیگی کے علاوہ وہ نوافل میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہنا چاہتے تھے۔ اس پیرانہ سالی میں بھی رمضان کے تمام روزے رکھنے کے علاوہ دس طوعی روزے بھی رکھتے رہے۔

جب کوئی جلسہ منعقد ہوتا تو اُن کی یہ خواہش ہوتی کہ انہیں بھی بولنے کا موقعہ دیا جائے تا وہ کچھ بیان کر سکیں۔ چنانچہ جب کبھی موقعہ دیا جاتا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں بعض [illegible]

تقریر جلسہ سالانہ قادیان بقیہ صفحہ نمبر ۶

غلط مذہبی تصورات کا یہ نتیجہ کہ بعض اشخاص سے کمزوریاں سرزد ہوگئیں النادر کالمعدوم کا رنگ رکھتی ہیں۔ اور اس اصل کا نقیض نہیں ہوسکتیں

غور طلب امر یہ کہ فسادات دنیا میں ہوتے کیوں ہیں؟

میرے خیال میں فسادات کے موجبات حسب ذیل ہیں:۔

الف۔ خوفِ خدا کی عدم موجودگی۔

ب۔ موجودہ تہذیب کے غلط نظریات

ج۔ دنیا کا مذہب چھوڑ کر غلط راستوں کو اختیار کرنا۔ اور یہ سمجھ لینا کہ اختراعی امور سے امن مل جائیگا۔ اور فسادات مٹ جائیں گے

د۔ قومی اعتبار سے ایک قوم کا دوسری قوم کے خلاف جذباتِ نفرت اور پرورش جذبہ انتقام (جس کی بنیاد صرف غلط جذبات و احساسات پر مبنی ہے) کا بھڑکانا۔

س۔ موجودہ تہذیب کے نمونے جن کو یکے بعد دیگرے دنیا اختیار کرتی گئی اور بالآخر اس کو ماننی پڑی کہ ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں کہ جس سے فسادات رک جائیں یا نہ ہوں اور امن قائم رہ سکے مثلاً سکولرزم۔ نیشنلزم۔ کیمونزم۔ کیپٹلزم سوشلزم ان کے غلط نظریات ہیں۔ دنیا میں نقصِ امن کا موجب ہو رہے ہیں ورنہ مذہب کو ایسا مقدس امر ہے کہ اس پر حقیقی عمل ہی واحد علاج فسادات کی روک تھام کا ہے۔ ہندوستان چونکہ مختلف مذاہب کی آماجگاہ ہے۔ اور ہر مذہب کے پیرو نے مذہب کی تعلیم کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی تحقیر کو اپنا اصول بنا رکھا ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب فسادات و لڑائی کا موجب ہوتے ہیں مگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مذاہب کی تعلیمات میں اصولی لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل دنیا پر ایک ایسا دور گزرا ہے۔ کہ ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے اور ایک ملک دوسرے ملک کے وجود سے بکلی بے خبر تھے۔ اس اثناء میں ہر ایک قوم کو جو خدا کی طرف سے کوئی کتاب ملی یا کوئی خدا کا رسول اور نبی اس قوم میں آیا تو اس قوم نے یہی خیال کر لیا کہ جو کچھ خدا کی طرف سے ہدایت ہونی چاہیئے تھی وہ یہی ہے اور خدا کی کتاب صرف انہیں کے خاندان اور انہیں کے ملک کو دی گئی۔ اور باقی تمام دنیا اس سے بے نصیب پڑی رہی۔ اس خیال نے نہ صرف ہندوستان کو بلکہ ساری دنیا کو نقصان پہنچایا۔ آخر جب ایک ملک دوسرے ملک کے وجود سے اطلاع پا گیا اور ممالک مختلفہ کے لوگ ایک دوسرے کے مذاہب سے مطلع ہوئے تب ان کے لئے یہ مشکل پڑی۔ کہ ایک ملک کا مذہب دوسرے ملک کے مذہب کی تصدیق کر سکے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کے لئے مبالغہ آمیز خصوصیتیں مقرر ہو چکی تھیں۔ ان کا دور کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس لئے ہر ایک اہل مذہب نے دوسرے مذہب کی تکذیب پر کمر بستہ کی ہے۔ مذہب کے پیروتے دوسرے مذہب کے پیروؤں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور یہ خلیج بڑھ گئی۔ جو فسادات کا موجب ہوئی۔ لیکن ان مذاہب کے پیروؤں نے غور نہیں کیا۔ کہ اُن کی مذہبی کتابیں کیا کہہ رہی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے،

قولوا امنا باللہ و ما انزل الینا و ما انزل علی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط و ما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہٗ مسلمون۔

کہہ دو اے مسلمانوں ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس پر جو ہماری طرف ہمارے رسول کے ذریعہ اتارا گیا۔ اور ہم ایمان لائے اس پر جو ابراہیم کی طرف اتارا گیا اور اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف اتارا گیا اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا دوسرے نبیوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم پکے فرمانبردار ہیں۔

ان آیات میں مسلمانوں کو اس کلام کے ماننے کی تلقین کی گئی ہے۔ جو آنحضرت صلعم سے پہلے نازل ہوا۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا کے نبی صرف عرب ہی میں مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ مختلف ملکوں اور علاقوں میں ہوئے پھر قرآن خود ہی ارشاد فرماتا ہے

وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر

اسی طرح رگوید کے پہلے ادھیائے میں لکھا ہے کہ

"اے انسان تو اس ذاتِ پاک کی تعریف کر جو نورِ کل ہے۔ تم ان رشیوں یا رسولوں کی حمد کے گیت گاؤ۔ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔ نیز تم نئے رشیوں یا رسولوں کی بھی تعریف کرو۔"

اسی طرح گیتا ادھیائے چار میں بھی بھگوان کرشن نے اس مضمون کو ہے۔ پس یہ حوالہ جات اس امر کے لئے کافی ثبوت ہیں۔ کہ گیان ایک ہی دفعہ نہیں آیا۔ متعدد مرتبہ یہ گیان اس دنیا میں آتا رہا ہے۔

یہ باتیں واضح کرتی ہیں۔ کہ مذہب کی تعلیم کا منبع ایک ہی ہے۔ اس لئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ بعض مذاہب نے جنگ و فساد کی تلقین کی ہو۔ ہاں مذہب کی آڑ لے کر جاہل اور مادہ پرست لوگ من مانی کارروائیاں کرتے ہیں کسی بھی مذہب نے لڑائی اور فساد کی تلقین نہیں کی۔ آپ کو وید میں بھی صلح کی تعلیم ملے گی۔ ژند اوستا میں بھی ایسی ہی تعلیم ملے گی۔ انجیل و تورات میں بھی ایسی ہی تعلیم ملے گی جو امن و صلح کی تعلیم ہوگی۔ ہاں مرورِ زمانہ کی وجہ سے تغیر و تبدل ممکن ہے۔ اگر جملہ تعلیمات من و عن موجود رہتیں۔ اور ان کے ماننے والے ان میں کسی قسم کا تغیر نہ کرتے تو خدا تعالےٰ کو بار بار اپنا کلام نازل کرنے کی ضرورت داعی نہ ہوتی۔ اسلئے یہ کہنا کہ کسی وقت کسی مذہب نے لڑائی اور فساد کی تعلیم دی ہے۔ مذہب سے ناانصافی ہے۔ کیونکہ دنیا میں جبکبھی امن کی صحیح صورت پیدا ہوئی۔ تو خدا کے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ ہی پیدا ہوئی تاریخ کے صفحات سے یہ صداقت ثابت ہے۔

پھر یہ امر بھی تاریخ کے صفحات سے ثابت ہے کہ جب کبھی دنیا نے انبیاء کی مخالفت کی اور انہوں نے فساد مچایا تو خدا کا عذاب اُن قوموں پر آیا جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی۔ مخالفین تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اور خدا کی فعلی شہادت نے ثابت کر دیا کہ وہ مفسد تھے جو تباہ ہو گئے اور انبیاء اور ان کے لائے ہوئے مذاہب امن کے حامی و علمبردار تھے پس بدامنی صرف مذہب کے چھوڑنے کے نتیجہ میں ہے۔ ورنہ پرستاران مذاہب کے عملی نمونے خود اس امر کے شاہد ہیں۔ کہ مذہب نے کبھی فساد کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ مذہب موجب فساد ہے پس فساد مذہب کے نام پر کئے جاتے ہیں۔ ورنہ مذہب تو اس سے بری الذمہ ہے۔

مومنانہ بھائی چارہ بقیہ صفحہ نمبر ۵

اور زبانِ ایزدی۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا[۱]۔ ان کے دل و دماغ پر حاوی اور ہر رگ و پے میں جاری و ساری تھا۔

غرض اسلام کا ماضی جواُن کے حال سے بہت زیادہ شاندار ہے۔ عالمگیر برادری کے ایسے ایسے دلفریب اور حسین سوانح کا مجموعہ ہے۔ کہ جن کے تصور سے روح میں حد درجہ بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اور دل و دماغ میں تازہ بتازہ اور نو بہ نو اُمنگیں جنم لیتی ہیں۔ اور اگرچہ ہم نے اپنے مضمون میں عامۃ المسلمین کی پستی کا رونا رو دیا ہے۔ مگر ان کا حال تو "اندھے کے آگے رونا آنکھوں کا کھونا" ہے۔ ہمارا اصل خطاب احمدیہ جماعت سے ہے۔ جو بڑی امید کا پیغام لے کر دنیا کے سامنے آئی ہے اور جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دامن تھام کر سارے جہان کو دعوتِ نظارہ دے رکھی ہے۔ دنیا منتظر ہے۔ کہ احمدی کب اسلام کی شوکتِ رفتہ کو واپس لاتے اور مردہ روحوں کو حیاتِ تازہ بخشتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم صحابہ رضو کے مثیل اور جانشین ہیں۔ اور مسیح پاک نے بھی یہی فرمایا ہے ؎

مسیحِ وقت اب دنیا میں آیا
خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

---

[۱] اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لو۔ اور پراگندہ ہونے سے بچو۔